

○○○

# اسلامی ادارہ ادب و ثقافت پاکستان

چاہ میراے لاہور  
تھے نایاب کتابیں

تذکرہ حضرت کرم الہی عرف کانواں والی سرکار ۵۰ - ۷۰  
مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

تذکرہ حضرت سید میراں حسین زنجانی ۲۰۰ - ۲۰۰  
مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

## آفتاب زنجان

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

پھر روپے

قرآن اور توبہ

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

دو روپے

فوائد الصلوٰۃ

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

۲۸۹  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تَشْکِیْلَةُ نَصَائِحٍ  
مُسْتَعْرِضَةٍ لِمَا  
مِنْ عَمَلِ الْفَاعِلِ  
وَالْمَعْنَى

چشم روشن کن ز خاکِ اولیاء

رصدی

کار

نابینہ سی ز ابتدا تا انتہا

(مولانا روم)

①

289

تذکرہ تاج الاولیاء حضرت سید اسحاق گارونی لاہوری

المعروف بہ

حضرت میراں پادشاہ قدس سرہ

(ہزار سندھ سے مسجد وزیرخاں لاہور)

②

تذکرہ شیخ الاولیاء حضرت سید صوف لاہوری

المعروف بہ

حضرت سید صوف قدس سرہ

(مزار چوک وزیرخاں لاہور)

مؤلف و مرتبہ

میاں اخلاق احمد ایم اے ۳۳۳ شاد باغ لاہور

# فہرست

| صفحہ | مضمون   | نمبر شمار |
|------|---|-----------|
| ۹    | حرف آغاز از مؤلف  | (۱)       |
| ۱۳   | حرف ثانی از پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر (ایم۔ اے)       | (۲)       |
| ۴۰   | تعارف (لاہور میں اشاعت اسلام) از جناب انجم رحمانی (ایم۔ اے) | (۳)       |

## حصہ اول

ذکر حضرت سید اسحاق گزرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہؒ

|    |  |      |
|----|--|------|
| ۵۱ | لاہور تاریخ کے آئینہ میں                                   | (۴)  |
| ۵۶ | گزر درگاہ  | (۵)  |
| ۵۷ | خاندانہ، اسم و القاب ولادت و وطن حضرت سید اسحاق گزرونیؒ    | (۶)  |
| ۶۰ | مورخین اور تذکرہ نگاروں کا اشتباہ، غیر محقق روایات و تحقیق | (۷)  |
| ۶۶ | درس و تدریس اور اخلاق و عادات حضرت سید اسحاق گزرونیؒ       | (۸)  |
| ۷۰ | خواری و کرامات حضرت سید اسحاق گزرونیؒ                      | (۹)  |
| ۷۲ | حالات پیرو مراثی حضرت سید اسحاق گزرونیؒ                    | (۱۰) |
| ۷۵ | وصال حضرت سید اسحاق گزرونیؒ                                | (۱۱) |
| ۷۸ | مزار حضرت سید اسحاق گزرونیؒ                                | (۱۲) |
| ۷۳ | شجرہ بیعت سلسلہ عالیہ حضرت سید اسحاق گزرونیؒ               | (۱۳) |

## حصہ دوم

ذکر حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید صوف لاہوریؒ

| صفحہ | مضمون   | نمبر شمار |
|------|---|-----------|
| ۸۵   | اخلاق و عادات حضرت سید صوفی لاہوری                | (۱۴)      |
| ۸۶   | خوارق و کمالات حضرت سید صوفی لاہوری               | (۱۵)      |
| ۸۸   | وہمال حضرت سید صوفی لاہوری                        | (۱۶)      |
| ۹۱   | تاریخ وفات  | (۱۷)      |
| ۹۲   | مزار حضرت سید صوفی لاہوری                         | (۱۸)      |
| ۹۷   | خانقاہ حضرت سید صوفی لاہوری اور سید فضل شاہ مجذوب | (۱۹)      |
| ۱۰۱  | حالات   | (۲۰)      |
| ۱۱۳  | کتابیات   | (۲۱)      |
| ۱۱۶  | کچھ اپنے متعلق                                    | (۲۲)      |
| ۱۱۷  | مؤلف کی دیگر تالیفات اور چند آراء                 | (۲۳)      |

والدہ مرہومہ

حی  
خدمت میں

جن کے ذکرِ الہی نے بچپن میں میرے دل میں

اولیائے کرام کے ساتھ والہانہ عقیدت و ارادت

پیدا کر دی۔ اس تذکرہ کی تدوین و تالیف

اسی ہذبِ عقیدت و محبت کا نمونہ ہے۔

میال اخلاق احمد



# اِشَادَات

○ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ

صالح لوگوں کے تذکرے کے وقت رحمت باری تعالیٰ

نازل ہوتی ہے۔

(ان الارض يرثها عبادي الصالحون) القرآن

زمین کے وارث ہوں گے میرے عباد صالح۔



حدیث نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اتبعوا العلماء فانهم سراج الدنيا ومصابيح الاخرة

علماء (وارثین) علوم کتاب و حکمت کی پیروی کرو۔ وہ باتحقیق

دنیا میں چراغ اور آخرت میں مشعلیں ہیں۔

(عن انس جامع الصغير سيوطي)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
تَحْمِیْدُهُ نَصَائِحِ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

خاک شو در پیش شیخ با صفا  
تا ز خاک تو بروید کیمیا

## حرفِ آغاز

راقم الحروف اس سے قبل حضرت امام سیدنا علی الحق (سیاکوٹی) کے حالات و واقعات اور آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات پر ایک کتاب سپرد قلم کر چکا ہے جسے شائع ہوئے تقریباً چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ اس تذکرہ میں میں نے حضرت امام سیدنا علی الحق کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر ضروری اور دستیاب معلومات جمع کر کے سوانحی خاکہ مکمل کر دیا ہے اور دوسرے یہ کہ دینی اور علمی خدمات، روحانی فیوض و برکات اور جہاد کے ان گوشوں کو زیادہ اجاگر کیا جن سے شخصیت کا مشن اور رول واضح ہو۔ جسے اہل علم حضرات اور خاص کرتشگان علم و تحقیق نے بے حد پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور جو صلہ افزائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس خاکسار کو چند دوستوں نے مجبور کیا کہ میں شہر لاہور کے دو قدیم نہایت فراموش شدہ عظیم صوفی اور مبلغ اسلام حضرت سید اسحاق گادرونی اور حضرت سید صوف لاہوری کے حالات و واقعات زندگی اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات قلم بند کر دوں۔



ہماری تاریخ کے درختوں ابواب میں مشائخ و صوفیاء اور اکابرین کے دو کارنامے قابل ذکر ہیں۔ پہلا اشاعت دین اسلام اور دوسرا معاشرہ کی دینی بنیادوں پر اصلاح و تربیت۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ دور کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اپنی توجہ اس موضوع کی طرف نہیں کی جس قدر کہ کرنی مقصود تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشائخ و صوفیاء اور اکابرین کے حالات زندگی اور دینی خدمات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں، غلامی اس کے ان کے عقیدت مندوں نے کرامات کے قصوں اور کہانیوں کو جن میں غیر مصدر روایات بھی شامل ہیں ایسا رواج دیا اور اس قدر دہرایا ہے کہ ان کی تعالیمات، خدمات اور علمی کارنامے کرامتوں میں چھپ کر رہ گئے، یہاں تک کہ اگر آج ہم انکی مقدس ہستیوں کی تفصیلات کی تحقیق کریں تو سوائے حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور محض ان کے مزارات اور ان کی علمی یادگاریں جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہی ہیں، میں کچھ تسکین قلب کا سامان نظر آتا ہے یہ باقیات صالحات ایک طالب اور محقق کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہیں اور ذوقِ محسن کو قدرے پورا کرتی ہے۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر میں بہت بڑا حصہ صوفیاء کرام کے بعد علماء اور ادباء کا حصہ ہے۔ علماء نے درس و تدریس کے علاوہ تبلیغی خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن معاشرہ پر ادباء کا اثر صرف انکی نشر و اشاعت کے ذریعہ ہوا۔

ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباع سنت ہے اس کی کوئی کرامت شریعتِ نبوی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اسے معجزہ کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ جو صرف نبی سے سرزد ہوتا ہے اس لئے ہم کو چاہیے کہ مشائخ و صوفیاء اور اکابرین کے حالات زندگی اور ان سے متعلق صحیح معلومات حاصل کریں اور معاشرہ کی اصلاح و تربیت اور اسلامی رنگ کو قائم رکھنے میں ان اکابرین نے کیا خدمات انجام دیں کی تحقیق اور تجسس کریں اس پہلو پر تحقیق کا کام نہایت اہم اور ضروری ہے۔

اویسائے کرام کی سوانح حیات مکمل طور پر تحریر میں نہیں لائی جاسکتی انکے احوال اور مقامات کی رفعتیں، ان کے سیر و سلوک کے منازل، تبلیغی سرگرمیاں اور اقوال و کلام عام انسان کے واسطے ناقابل فہم ہے۔ ان صلحا کی روحانی پرواز اور بلندی کو نقطوں میں بیان کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ سوانح حیات کے رقم کرنے سے مقصود صاحبِ مدح

کی صحیح تصویر پیش کرنا ہوتا ہے مگر اولیاء کرام کی صحیح تصویر تو کجا خاکہ بنانا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ مصادد و ماخذ کی کمی، باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ کی کمیابی ہے۔ یہ باتیں بھی مشاہدہ میں آئی ہیں کہ اکابر دین نام و نمود اور شہرت کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے کارنامے تحریر و زبانی روایات کی شکل میں قائم رکھنے کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی اور یہ قیمتی سرمایہ قوم کے لئے محفوظ نہ رہ سکا۔

وستیاب مصادد و ماخذ کی روشنی میں ان اولیاء کرام کی صحیح شخصیت ان کے کارنامے اور ہم عصر تاریخی حالات کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں لاہور کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ صحیح ماحول سے قارئین کرام آگاہ ہوں۔ اس تحریر میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حالات و واقعات بالکل درست و سچ کئے جائیں مبالغہ سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں شک و شبہ پیدا ہوا ہے وہاں یا تو وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں یا پوری تحقیق کے بعد رقم کئے گئے ہیں البتہ ان اکابر دین کی سوانح حیات کے ذکر میں جہاں کہیں کسی اور بزرگ یا کسی اہم ہستی کا نام آگیا ہے۔ حاشیہ میں اسکا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔ ان حاشیوں میں اکثر مقامات پر اصل ماخذ کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ مفصل مطالعہ کے لئے اصل کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ صوفیاء کے تذکروں میں بعض ایسے شیوخ کا ذکر آتا ہے جنہوں نے اسلام کی بھرپور پاشا کی۔ جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالسیف بھی کیا۔ بعض راہِ خدا میں شہید ہوئے۔ اور بعض فضلِ خداوندی سے کامیاب ہوئے حضرت سید اسحاق گاڈرونی کا تعلق پہلی قسم کے صوفیاء سے ہے اور حضرت سید صوف لاہوری کا دوسری قسم کے صوفیاء سے ہے جنہوں نے حق کی خاطر جہاد بالسیف سے دریغ نہ کیا۔

حضرت سید اسحاق گاڈرونی (لاہوری) شیخ المشائخ، قطب الاولیاء اور سادات عظام سے ہیں۔ آپ کمالات ظاہری اور باطنی کے مالک، پیر کامل اور شیخ اکمل تھے۔ حلیم، خلیق، زہد و تقویٰ میں شہرہ آفاق تھے۔ حضرت سید صوف لاہوری علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارف کامل تھے۔ ریاضت و مجاہد، زہد و تقویٰ، فقر و غنا اور توکل و قناعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ عارف شب زندہ دار تھے۔ آپ کی ذات برکات میں جمالیات اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ آپ نے علمی و روحانی فیوض و برکات

سے ایک دنیا کو فیض یاب کیا آپ کا چشمہ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور ایک دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔

ان بزرگوں کا اسوہ حسنہ اور علمی و روحانی تعلیمات اس پرفتن دور میں ہمارے لئے چراغِ ہدایت ہیں۔ ہدائے بزرگ و برتر ہمیں ان مقدس مسٹیوں کے نقش قدم پر چلنے، توفیق عطا فرمائے اور سلامتی ایمان بخشے، آمین ثم آمین!

آنحضرتؐ میں اپنے دوست محترمی جناب میاں عالمگیر شجاع صاحب، میاں افتخار صاحب باغبانپوری اور جناب عالم حسین چیمہ صاحب ایم اے ایل ایل بی کاشک گنڈا صاحب نے اس کتاب کی تدوین و تالیف میں میری مدد فرمائی اور قیمتی مشوروں سے مجھے نوازا۔ بعض قابل قدر کتب فراہم کیں۔ ناظرین سے میری استدعا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو درگزر فرمائیں اور مجھے اپنی بیش بہا معلومات اور ذریعہ آراء سے خسروم نہ رکھیں۔ خدا کرے میری یہ خدمت قبول ہو۔

احقر  
میاں اخلاق احمد عفی عنہ  
کاچھو

۳۳۳ شاد باغ لاہور

۱۶ اپریل ۱۹۷۹ء

# حرفِ ثانی

ان پروفیسر سید محمد کبیر احمد منظر صاحب (ایم اے)

روحے فرہاتے ہیں —  
زاد دانشمند آثارِ قلم      زاد صوفی چلیت و آثارِ قدم

چنانچہ صوفیائے کرام کے حلقوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ”آثارِ قدم“ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان کی تحقیق و تتبع کے لئے ان کے ہاں باقاعدہ سلسلہ اسناد بھی ہے جس کی وہ بہت حفاظت کرتے ہیں اور تصوف کے کسی مدعی کو اپنے ہاں اس وقت تک وقعت نہیں دیتے جب تک اس کی ان اسناد سے باخبر نہیں ہو جاتے۔ اور کسی صوفی کو اس وقت تک معتبر نہیں گردانتے جب تک کہ اس کے سلسلہ اسناد کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہونے کا یقین انہیں نہیں ہو جاتا۔ اور چونکہ ان ”آثارِ قدم“ کے بارے میں صوفیاء کے ہر طبقہ کی تحقیقات اور پیروی کے منہاج اور اسلوب اپنے اپنے ہیں۔ لہذا کسی صوفی کے حالات اور اس کے صوفیانہ مزاج و منہاج کی تحقیق اور شناخت کا ادارہ اس بات پر ہے کہ وہ صوفیاء کے کون سے طبقہ (سلسلہ - طریقہ) سے متعلق ہے۔ اور اس طبقہ کے نمایاں اوصاف اور محنت از خصائص کیا ہیں۔

زیر دست تالیف میں جو میرے محترم دوست جناب میاں اخلاق احمد صاحب (ایم اے) کے قلم سے صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل تحقیقی سلسلہ کتب کی ایک نئی کڑی ہے۔ لاہور کے جن دو قدیم اور عظیم صوفیاء (حضرت سید اسحاق گادرونیؒ اور حضرت سید صوفیؒ) کے حالات سے بحث اور تحقیق کی گئی ہے ان میں سے حضرت سید اسحاق گادرونیؒ سلسلہ چندیہ کی جس شاخ سے متوسل ہیں۔ وہ ادارہ تصوف کی

ایک جلیل القدر اور نابالغہ روزگار شخصیت حضرت ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی متوفی ۵۶۳ھ پہنچی ہوئی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں مشہور سلسلہ سہروردیہ کا ابراہیمی سے ہوا اور وہ اپنی ذات سے منسوب ہے چنانچہ طریق الحقایق کا مصنف ہی لکھتا ہے۔

”سلسلہ سہروردیہ کہ منسوب شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی است۔ جبکہ محققین کے دوسرے گروہ کی رائے میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی متوفی ۶۳۲ھ ہیں جو ابوالنجیب سہروردی کے برادر زادے خلیفہ اور جانشین درگاہ ہوئے۔ جیسا کہ صاحب روذات الجنان نے تحریر کیا ہے۔

”دیگر سہروردیہ کہ سرخیل ایشان شیخ شہاب الدین عمر سہروردی است کہ لیسر برادر و مرید شیخ ابوالنجیب است۔“

پھر حال حضرت ابوالنجیب علم و فضل، ایقان و عرفان اور نشر و اشاعت طریقہ میں اتنے نامور ہوئے کہ بعض محققین نے انہیں جنید ثانی اور بعض نے ثبوت اعظم ثانی کہا۔

”اس مقدار مشائخ کبار و درویشاں عالی مقدر و سلسلہ ہاکہ از ظل تربیت وی پیدا شدہ اند معلوم نیست کہ در میان مشائخ بعد از شیخ جنید را بودہ باشد۔“

اسی طرح تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ متوفی ۵۶۰ھ کے بعد طالبان حقیقت کے رجوع کا تمام تیر کو حضرت ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی ذلت بابرکات ہو گئی تھی۔ وہ فیضان الہی کا ایک ایسا وسیع اور روان سرچشمہ تھے کہ جس سے سلاسل کے کئی دریا اور ندیاں جاری ہوئیں۔ مثلاً:-

- ۱۔ ان کے خلیفہ عمار یا سرالاندلسی کی شاخ میں نجم الدین کبریٰ سے سلسلہ کبرویہ کا آغاز ہوا۔
- ۲۔ ان کے خلیفہ بختیجے اور جانشین درگاہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی متوفی ۶۳۲ھ سے سلسلہ سہروردیہ کا اجرا ہوا۔

۱۔ معصوم علی شاہ شیرازی: طریق الحقایق۔ طبع تہران۔ ص ۳۰۶۔ ج ۲۔

۲۔ روذات الجنان طبع تہران۔ ص ۲۳۷۔ ج ۲۔

۳۔ روذات الجنان طبع تہران۔ ص ۲۳۷۔ ج ۲۔

۳۔ ان کے خلیفہ ابو رشید قطب الدین احمد الابرہی سے بھی ایک مستقل سلسلہ جاری ہوا۔  
 اس میں شیخ رکن الدین سجاسی، شیخ اودھ الدین اودھ حامد کرمانی اور شیخ اودھ الدین اودھ حامد کرمانی  
 کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ آپ اس سلسلہ کو سلسلہ اودھیا بہریہ یا الطریقۃ الآودھیا بہریہ  
 کہہ سکتے ہیں، زید دست تالیف کے بزرگ حضرت سید اسحاق گزرونی اسی سلسلہ سے  
 نوسل ہیں اور حضرت شیخ اودھ الدین (رکن الدین) اودھ حامد کرمانی مراغہ ای متوفی ۷۳۸ھ  
 سے بیعت اور مجاز ہیں۔

سلسلہ اودھیا بہریہ ایک مہتمم بالشان سلسلہ ہے اور اس کے جملہ شیوخ اکابرین وقت کا  
 مرکز و مرجع رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الشیوخ رکن الدین سجاسی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے  
 کہ وہ مولانا روم کے پیشوا حضرت شیخ شمس تبریزی کے پیر و مرشد ہیں۔  
 القصۃ شمس الدین و علوم ظاہر باہر شدہ ذوق سلوک و طالب قابلیت اصلی و منکر  
 و شہ مرید شیخ الشیوخ العارف رکن الدین سجاسی رحمۃ اللہ علیہ شدہ و در معرفت و  
 یاہنت و سلوک مقام عالی یافت۔

۱۔ معصوم علی شاہ شیرازی: طرائق الحقائق۔ ص ۳۱۱-۲ ج  
 نوٹ: شیخ ابوالنجیب سہروردی کے ایک خلیفہ شیخ روز بہان گزرونی بھی تھے۔ ان سے سلسلہ روز بہان  
 جاری ہوا۔ اور شیخ نجم الدین کبری نے ان سے فیض پایا (طرائق الحقائق ۶۲۲ ج ۲)

۲۔ جے، سپنسر ٹرائی منگم: دی صوفی آرڈرز ان اسلام ص ۳۲ و نقشہ شجرہ سلسلہ سہروردیہ ص  
 ۳۰ طبع آکسفورڈ لندن ۱۹۶۱ء

۳۔ سجاس ایران کے مغرب میں ہمدان اور بہر زنجان کے درمیان ایک شہر ہے اور لوگوں نے  
 لاطنی سے اسے سجاس لکھا ہے (ص پنجاہ و یک دیباچہ کلیات اودھ حامد کرمانی مرتبہ آقا سے  
 معینہ نفسی۔ سجاس اور بہر زنجان کے پاس دو قصبے ہیں (آزر، لطف علی بیگ: آتشکدہ بہ  
 صحیح تعلیق ساوات حسن ناصری۔ حاشیہ ص ۶۳ = اردو دائرہ معارف اسلامیا ج ۱ ص  
 ۹۵ لفظ بہر)

۴۔ طرائق الحقائق۔ ص ۳۱۵-ج ۲۔ شیخ رکن الدین سجاسی کی وفات کے بعد شیخ شمس تبریزی  
 باکمال جندی سے فیضیاب ہوئے جو شیخ نجم الدین کبری کے خلیفہ تھے۔ دیکھئے طرائق الحقائق۔  
 ۳۲۸، ۳۱۶-ج ۲

ازاں بعد شیخ ابو عبد الدین حامد کرمانی کا اسم گرامی آتا ہے جن سے حضرت محی الدین ابن العربی جیسے فاضل روزگار اور مفکر و دواں نے استفادہ کیا تھا۔ شیخ کرمانی ۶۰۲ھ میں تونو میں ان کے گھر رہے تھے۔ ابن العربی نے ان سے اپنی صحبتوں کا ذکر اپنی کتاب الفتوحات المکیة کے الباب الثامن میں کیا ہے۔

شیخ کرمانی سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے معاصر تھے۔ شیخ شہاب نہایت پابند شریعت تھے جبکہ شیخ کرمانی آزاد طبع اور قلندر مشرب تھے۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ جب آپ کو دوران سماع و شوش آجاتا تھا تو آپ امر دون کے پیر ابن چاک کو دیتے تھے اور اپنا سینہ ان کے سینہ پر رکھ دیتے تھے۔

”چون وی در سماع گرم شدی۔ پیر ابن امر دان چاک زوی و سینہ بسینہ ایشان باز نهادی“

اسی ضمن میں روایت ہے کہ آپ ایک دفعہ بغداد پہنچے اور خلیفہ وقت المستنصر باللہ کے ہمان ہوئے۔ وہ آپ کا مرید تھا۔ اس کا ایک شہزادہ نہایت صاحب جمال تھا۔ جب اسے آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ دوران سماع آپ کی یہ عادت ہے تو اس نے کہا ”اسے رو سے آپ مبتدع (بدعتی) اور کافر ہیں۔ اگر مجلس میں دوران سماع آپ نے میرے ساتھ ایسی کوئی حرکت کی تو میں آپ کو قتل کر دوں گا۔“ مگر جب محفل سماع گرم ہوئی۔ آپ اندر سے کشف و کرامات اس کے ارادہ سے آگاہ ہو گئے اور یہ شتر پٹھنے لگے۔

سہل است مرا بر سر نجر بودن در پائے مراد و دست بی سر بودن  
تو آمدہ اسی کہ کافر را بکشی غازی چو تونی رواست کافر بودن  
اس پر شہزادہ آپ کی ولایت کا معترف ہوا اور اس نے اپنا سر آپ کے پاؤں پر رکھ دیا۔

۷ نفحات الانس فارسی۔ ص ۲۵۹، ۶۰۶ طبع لاہور۔ ابن العربی نے حج کے بعد حرم کعبہ میں اپنے ممتاز شاگرد شیخ صدر الدین تونوی کی تربیت شیخ ابو عبد الدین کرمانی کے سپرد کر دی تھی چنانچہ شیخ صدر الدین تونوی نے خرقہ ابن العربی سے لیا اور سجادہ شیخ کرمانی سے لیا اور وقت وفات وصیت کی کہ ان کو ابن العربی کے خرقہ میں کفن دیا جائے اور شیخ کرمانی کے سجادہ کو ان کی قبر میں بچھا دیا جائے۔  
(روضات الجنان ج ۱ ص ۶۱)

اور مرید ہو گیا۔

مظاہر حسی میں حقیقت مطلقہ کے جہاں کو مشاہدہ کرنے کا یہ انداز حضرت شہاب الدین حسی پابند شرع طبیعت کو پسند نہ آیا۔ اور انہوں نے شیخ کرمانی کو مبتدع (بدعتی) کہہ دیا اور انہیں اپنی مجلس کے ناقابل قرار دیدیلے یہ بات شیخ کرمانی تک پہنچی تو انہوں نے کہا ”مجھے مبتدع کہہ دیا۔ کوئی بات نہیں۔ میرے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ ان کی زبان پاک پر میرا نام آیا ہے۔“

ما ساعنی ذکرک بمسئۃ بل سترنی انی خضرت بسانک  
حضرت شیخ شہاب الدین نے یہ بات سنی تو ان کے حسن اخلاق کی تعریف کی۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت شیخ شہاب الدین اور حضرت شیخ کرمانی کی باہم ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے ذوق باہم یکساں نہ تھے۔ لہذا طبیعت نہ ملنے کی بنا پر شیخ کرمانی سے ہم مجلس ہوتا شیخ شہاب الدین کو بارہ خاطر محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کے ذوق کی توضیح ان کے اس قول سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔  
”ہر نعمتی کہ در بشر ممکن است شہاب الدین را دادہ اند۔ الا ذوق سماع“ ترجمہ ہے ہر نعمت جو بشر کے لئے ممکن ہے شہاب الدین کو دی گئی ہے سوائے ذوق سماع کے۔ مگر یہ ذوق سماع حضرت شیخ کرمانی کو بہت تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ شیخ کرمانی نے شیخ شہاب الدین کے ہاں آکر ٹھہرے۔ شیخ نے ان کی پوری تعظیم کی۔ رات ہوئی تو شیخ کرمانی نے سماع کی درخواست کی۔ شیخ شہاب الدین نے فرمایا بلا کہ مجلس ترتیب دے دی۔ مگر خود ایک گوشہ میں جا کر قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔ صبح خادم خائفانہ نے آپ سے کہا کہ مشائخ تمام رات سماع کرتے رہے ہیں۔ ان کے لئے نہاری چاہیے۔ آپ نے فرمایا ”مجھے تو خبر نہیں کہ مشائخ نے ساری رات سماع کیا ہے۔ گویا شیخ شہاب الدین ساری رات ذکر الہی اور تلاوت قرآن میں اتنے مستغرق رہے کہ مشائخ کا سماع ان کے کانوں میں نہیں پہنچا۔“

حضرت شیخ شہاب الدین اور حضرت شیخ کرمانی دونوں غنیمی ارباب کمال اور واعظان

۱۔ خزینۃ الاصفیاء۔ ص ۶۸۶۔ طبع لاہور۔ حمد اللہ المستوفی تاریخ گزیرہ لندن۔ ۱۹۱۰ء

۲۸۸ لطف علی بیگ آذر: آتشکدہ ج ۲ ص ۶۱۲ تہران بالتصحیح حسن سادات ناسری رفسا

قلی ہدایت: تذکرہ ریاض الصالحین ص ۶۰ تہران۔



الہی میں سے بنتے۔ مگر ایک کے مزاج پر شریعت اور عبادت کا غلبہ تھا اور دوسرے کے مزاج پر جذبہ اور قلندریت کا ان دونوں بزرگان دین کے ہاں مقام و مرتبہ کی بلندی کے باوجود مزاج کا جو تفاوت ہے ایک عام قاری کی نگاہ سے تو یہیہ طلب ہے۔ چنانچہ اس غرض کے

لئے حضرت مجدد الف ثانیؑ کے ایک مکتوب سے مدد لی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

یہ فرقہ منتهی اصحاب کا ہے۔ جنہیں مشاہدہ جمال لایزال کے کمال و وصل کے درجہ تک نہیں سے ایک درجہ وصل کے بعد قوی برودت (سخت سرد مزاجی) ہو کر نسبت نامہ حاصل ہوتی ہے جو باقی منازل وصل پر عروج سے روکتی ہے۔ اور چونکہ وصل کی دیگر منازل ایسی ان کے سامنے موجود ہیں اور قریب کے درجہ انتہا تک طے نہیں ہوئے۔ جبکہ یہ منتهی لوگ اس برودت کے باوجود عروج کی رغبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ کمال قریب (کی اس خواہش) کی بنا پر اس صورت میں سماع ان کو فائدہ دیتا ہے کہ وہ حرارت بخشتے۔ لہذا ہر آن سماع کی بدولت انہیں منازل قریب میں عروج میسر ہوتا ہے۔

منتهی ارباب کمال اور واصیلان الہی کا سماع اور وجد اس قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ ہاں فنا و بقا کے بعد انہیں اگرچہ جذبہ عطا ہوتا ہے لیکن چونکہ برودت (سرد مزاجی) قوی ہوتی ہے اس لئے وہ منازل عروج کی ترقیات کی تحصیل کے لئے صرف جذبہ پر کفایت نہ کرتے ہوئے۔ سماع کے محتاج ہو جاتے ہیں۔

مشائخ کا ایک اور گروہ بھی ہے قدس اللہ سرہ انہم جن کے نفس ایک درجہ ولایت کو حاصل کرنے کے بعد مقام بندگی پہنچتے ہیں۔ ان بزرگوں کا آرام عبادت سے ہے اور سکون حقوق بندگی اور طاعات میں۔ انتہائی عروج کی رغبت نہیں رکھتے اور صعود (اوپر چڑھنے) کا شوق ان کے دوس میں کم ہوتا ہے۔ ملت (حنیضہ) کی متابعت کے نور سے ان کی جبین وقت روشن ہوتی ہے اور ان کا دیدہ بصیرت اتباع سنت کے سرمہ سے سرمہ آلود ہوتا ہے۔ لاجرم یہ لوگ تیز نگاہ ہیں۔ اگرچہ عروج کم رکھتے ہیں مگر نورانی ہیں کیونکہ اصل نور (نور شرع) سے منور ہیں۔ اس مقام (بندگی) میں ان کی شان عظیم ہے اور وہ جلیل القدر ہیں۔ ان کو سماع و وجد کی ضرورت نہیں۔ عبادت ان کے لئے سماع کا کام دیتی ہے اور

صل نورانیت (شریعت کا اتباع) عروج سے کفایت کرتی ہے۔  
دونوں مشائخ کبار کے ذوق کے تفاوت کی توجیہ کو بیان کرنے کے بعد امدوم بر سر سخن کہ  
صورت جلیلہ میں مشاہدہ حق کے بارے میں شیخ کرمانی کے نکتہ نظر کی توضیح ان کے مندرجہ ذیل اشعار  
سے بھی ہوتی ہے۔

ازاں می نگریم پچشم سرور صورت      زیرا کہ زمعنی بہت اثر در صورت  
ایں عالم صورت است و مادر صوریم      معنی نتوان دید مگر در صورت  
شیخ کرمانی کے مزاج کا یہ پہلو ان کی حیات اور طریقت میں اتنا نمایاں ہے کہ ایک دفعہ  
شیخ شمس تبریزی نے ان سے پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ تو جواب دیا: "چاند کو طشت آب میں  
دیکھ رہا ہوں" اس پر شیخ شمس تبریزی نے چوٹ کی۔ اگر آپ کی پشت پر دنیل (پھوڑ) نہیں  
ہے تو اسے آسمان میں کیوں نہیں دیکھتے؟

شیخ کا یہ قلندرانہ مشرب اور استیائے جمیدہ میں مشاہدہ حق کا طریقہ ان کے خلیفہ  
حضرت شیخ اوحید الدین اوحدی اصفہانی کے ہاں بھی اسی طرح تھا۔ گویا پیر اور مرید ہر دو کا  
سلک ایک تھا۔ دونوں کی وضع ایک (قلندرانہ) تھی، دونوں کا مزاج شاعرانہ تھا۔ اور دونوں  
نکتہ نظر وجودی تھا۔ اس بنا پر اوحید الدین عابد کرمانی نے اوحید تخلص کرتے تھے اور اوحید الدین  
افغانی نے ان کے تخلص کی مناسبت سے اوحدی لکھتے تھے۔ شیخ کرمانی کے یہ دو شعر جنہیں حساب  
ات نے تحریر کیا ہے ان کے وجودی ہونے کی توضیح کرتے ہیں۔

فانم زور امی حرف و بیرون ز صدا      وز چشمہ مطف آب چاتم مدد است  
عزت نا حد بہ اوحید حسرتی      علت بگزار کاینک اوحید است

اور اوحدی اصفہانی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "مردی موعود عارف و گرم رو بود با وجود  
مال عرفان و سلوک در فضیلت ظاہری بیچ کمی نداشت و کتاب جام جم او نظم کردہ و تزیین او در میان

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی؟ مکتوب ۲۸۵ و فقرہ اول) خلاصہ یہ کہ  
مشاہدہ جمال الہی کے بعد طبیعت میں برودت (سرد مزاجی بوجہ سیرطبی) ہو جاتی ہے۔ اس وقت  
نتہی مجذوب اپنے آپ کو سماع سے گرم کر کے پھر مشاہدہ کے لئے تیار کرتا ہے جبکہ منتہی سالک  
عبادت اور اطاعت میں مشغول ہو جاتا ہے اور جذبہ کے ذریعہ مشاہدہ کی بجائے مشاہدہ ظاہری

موجودان شہرقی عظیم داد۔ و دیوان اوحدی وہ ہزار بیت باشد۔ و سخن را موعدا نہ گوید۔  
 شیخ اوحدی اصفہانی (۶۰ھ - ۳۳۳ھ) ایک زبردست عالم بلند پایہ شاعر اور عظیم صوفی تھے۔  
 ان کا نسب بغداد کے ایک خلیفہ تک منتهی ہوتا ہے۔ پہلے صافی تخلص کرتے تھے مگر شیخ اوحد الدین  
 اوحدی کہہ کر فانی سے بیعت ہوئے تو ان کے تخلص اوحدی رعایت سے اوحدی لکھنے لگے۔  
 یہ مذہباً شافعی مسلکاً سنی اور مزاج و مشرب میں وحدۃ الوجودی تھے۔ چنانچہ مثنوی جام جم میں  
 ان کا ایک شعر یہ ہے۔

آنکہ مغز است وایں دگر ہا پوست و آنکہ چون نیک بنگری ہمہ اوست

ان کا شمار ان اٹھارہ برگزیدہ علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے شیخ صدر الدین قزوینی سے  
 فصوص الحکم پر صحنی تھی۔ شیخ فخر الدین عراقی فصوص میں ان کے ہمدرس تھے۔ دونوں کے مزاج  
 یکساں تھے۔ چنانچہ عراقی نے لغات لکھی تو اوحدی نے جام جم تحریر کی۔ مگر اوحدی ابن العربی کے  
 مقلد نہیں۔ اپنا دماغ بھی رکھتے ہیں اور ابن العربی سے زیادہ سنائی عزنوی سے متاثر ہیں چنانچہ  
 انہوں نے ان کے قصائد کا جواب لکھا ہے اور مثنوی جام جم ان کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت کے  
 وزن اور اسلوب پر لکھی ہے۔ مزید برآں یہ کہ وہ حکیم سنائی کی طرح حکیم اوحدی بھی مشہور ہیں  
 اہل ادب نے ان کو درجہ سوم کے شعراء اور اساتذہ فن شعر میں شمار کیا ہے یعنی خواجہ جوی کرمانی اور  
 سلمان ساوجی کے طبقہ میں۔

فن شعر پر محکم گرفت، محتالین زندگی پر گہری نظر اور قلندرانہ روش پر پختگی کی بنا پر  
 خواجہ حافظ شیرازی ان کو اپنا پیر طریقت مانتے ہیں۔ چنانچہ جب اوحدی نے یہ دو شعر کہے۔  
 نصیحتی کنت یاد گیر و بعد از من بگوئی راست کہ اینم زا اوحدی یاد است  
 مدد بتناہد دنیا عنان دل ز ہزار تو خواجہ حافظ شیرازی نے ان میں نصف کر کے یوں لکھا۔  
 نصیحتی کنت یاد گیر و در عمل آر کہ این حدیث ز پیر طریقت یاد است  
 مجھ دوستی عہد از جہاں سست نہاد کہ این مجوزہ عروس ہزار وانا یاد است

۱۔ دولت شاہ سمرقندی: تذکرۃ الشعراء طبع تہران ص ۲۳۲ و ۲۳۳۔ ۲۔ اوحدی شفقت سال سخن وید۔  
 تاشی رہی نیک بختی دید۔ اوحدی کے اس شعر کی روشنی میں ان کے شیخ اوحد الدین کرمانی کے وصال  
 ۶۵ھ سے ساٹھ سال منہا کی جائیں تو اوحدی کا سال ولادت ۶۳ھ ہوتا ہے جبکہ ان کی وفات  
 ۶۵ھ میں ہوئی۔ اس نسبت ان کی عمر قریباً ایک سو سال ہوتی ہے جو ان کی طویل عمر کی روایت کے عین مطابق ہے۔

اوحدی کہتے ہیں کہ وہ ازل سے رہ رہ اور نشا بہر باز ہیں۔  
 حدیث دروہن ای مدعی نہ امر و ذابست کہ اوحدی نازل رند بود و شاد بود باز  
 وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دوستی اور وفادار نواب ہے۔ اور اسے کوئی  
 سے کوئی ڈر نہیں ہے۔

دروستی اگر بگانی ز اوحدی  
 زر خالصت و پاک نھی وارد از محک  
 مندرجہ ذیل مشہور زمانہ شعر بھی اوحدی ہی کہے۔

خاکسار ان جہاں را بحقارت منگر  
 ان کی خانی زندگی ناکامی سے دوچار تھی اور وہ بیوی کے ہاتھوں لاچار تھے چنانچہ  
 ان کے بیٹے نے شادی کا ارادہ کیا تو انہوں نے ازراہ نصیحت کہا۔

زمن و مادرت شکیری پند  
 چند و دیدیم و نیز بینی چند

ان رہا کن کہ نان و ہیمہ نماند  
 ریش بابا بسین کہ نیمہ نماند

اوحدی آخری ایلخانی بادشاہ سلطان ابوسعید خان بہادر بن الجایتو (۱۶۶۰ء)۔

۱۳۶۰ء کے دربار میں ملک الشعراء تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان ابوسعید اور اس کے وزیر  
 غیاث الدین محمد بن خواجہ رشید الدین فضل اللہ کی مدح لکھی ہے۔

اوحدی مراغہ میں فوت ہوئے۔ وہیں ان کا مزار ہے جو پیر اوحد الدین کے نام سے  
 مشہور ہے۔ جمعرات کی رات وہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ان کی لوح مزار پر یہ تحریر  
 ثبت ہے۔

ہذا قبر المولیٰ المعظم قدوة العلماء افعیٰ الکلام وزبدة الانام الدارح الی

رحمة اللہ تعالیٰ اوحد الملک والدرین ابن الحسین الاصفہانی فی منتصف

شعبان سنۃ ثمان وثلثین و سبعمائتہ۔

اوحدی کے حالات میں ڈاکٹر آقائی محمود فرخ نے "احمال و آثار اوحدی اصفہانی"

۱۔ اوحدی اصفہانی کے جملہ حالات مذکورہ بالا کلیات اوحدی اصفہانی مرتب پروفیسر

آقائی سعید نفیسی کے دیباچہ سے ماخوذ ہیں دیکھئے ص ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۶، ۱۰، ۲۰، ۲۶ تا ۳۱، ۳۹،

۴۱، ۴۵، ۵۱، ۵۹، ۶۳، ۶۵۔ نیز دیکھیں اردو دائرہ مشارف اسلامیہ ج ۳ ص ۵۴۱

بذیل لفظ "اوحدی"۔

کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے جو مشہد سے ۱۳۳۵ شمسی میں طبع ہو چکی ہے  
 علاوہ ازیں اوردی کا جملہ کلام ایک مفصل اور تحقیقی دیباچہ کے ساتھ آقائی سعید  
 نفیسی نے "کلیات اوردی اصفہانی کے نام سے ترتیب دیا ہے اور وہ تہران سے  
 ۱۳۴۰ شمسی میں طبع ہو چکا ہے۔

شیخ اوردی الدین کرمانی اور شیخ اوردی الدین اصفہانی دونوں حضرات کو معرفت الہی  
 اور قرب ربانی کی دولت طویل ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ  
 ذکراں دونوں کے کلام میں موجود ہے۔ شیخ کرمانی فرماتے ہیں۔

اسرار حقیقت نشود حل بسوال  
 تا خون گنی دیدہ و دل پنجہ سال  
 اور ان کے خلیفہ شیخ اصفہانی لکھتے ہیں۔

تا شبی روی نیک بختی دید  
 باز کن دیدہ کین بازی نیست  
 تا فلک وار دیدہ در گشتم  
 چون نہ از بہر زلہ داشتہ ام  
 از ان بعد شیخ اصفہانی بارگاہ الہی میں اپنے مقام قرب کو یوں بیان کرتے ہیں۔  
 وز درون خلوتی است با یارم  
 رہ ندار و کسی بخلوت من  
 سو رہا گرد سر من بستہ است  
 اوردی شصت سال سختی دید  
 سرگفتار ما مجازی نیست  
 سالہا چون فلک وار بسر گشتم  
 بر سر پای چلہ داشتہ ام  
 انہ بر و ن در میان باز ارم  
 کس نہ بیند جمال سلوت من  
 تا دل من بدوست پیوستہ است

۱۔ حالات کے لئے دیکھیں: ڈی۔ ڈی۔ بی۔ ایل: این اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری طبع نیویارک ۱۹۶۵  
 ص ۳۰

۲۔ اس شعر کی تشریح میں مخدوم العلماء مزج العرفاء حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی  
 مجددی نوکیل جنوبی متوفی ۱۹۶۱ء علیہ الرحمۃ کا یہ قول بہت ناظرین ہے۔

”درویش ہر ویلے اپنے دوائے قلعے اسرار ہند اے“

ان دونوں حضرات کے مزاج اور طریقہ کی اس خصوصیت کی بنا پر صاحب نفعیات نے ان کو فخر الدین عراقی اور شیخ احمد غزالی کا ہم مشرب قرار دیا ہے جو انہیں کی مانند آزاد طبع تھے۔ عاشق مزاج تھے اور صورتی میں حقیقت مطلقہ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ مگر پاک نگاہ اور پاک دامن تھے۔ لہذا ہمیں ان کے خلوص قلب اور قرب الہی پر نظر کرنا چاہئے اور ان کی ظاہری فرودگذاشتوں سے صرف نظر کرنا چاہیے۔

ان بزرگوں کا طریقہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ جذبہ صادق کے بغیر ایک عمر تک شرع کی شدید رسمی پابندی سے بھی بارگاہ الہی میں مقام قرب نہیں ملتا لیکن اگر عمل قلیل ہے مگر جذبہ صادق کثیر ہے تو ممکن ہے کہ صرف اس جذبہ صادق کے طفیل خدا کے ہاں درجہ قبول مل جائے۔

طے شود جاوہ صد سالہ بہ آہے گاہے

چنانچہ اس طبقہ نے بے روح رسمی شرع سے ہٹ کر تمام غیر جذبہ صادق کی پوش کی ہے۔ زیادہ سے اجتناب کیا ہے اور اخلاص کی پرداخت کی ہے۔ بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی انا کو بلا مت کا طریقہ اختیار کر کے دائم عذاب میں مبتلا رکھا ہے۔ ان کا یہ طریق بہر طور بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا اور اس کے ذریعہ سے ان کے متوسلین بھی قبولیت سے بہرہ یاب ہوئے بلاشبہ یہ رستہ ایک مختصر رستہ *shah* ہے اور جلد باز اور عاشق مزاج طالب اسمی کے طالب بنتے رہے ہیں۔ چنانچہ عراقی فرماتے ہیں۔

صنارہ قلندر سز دار۔ من نمانی

کہ دراز و دور بنم رہ و رسم پارسائی

صاحب نفعیات نے جاوہ قلندریہ کی ان خصوصیات سے طریقہ ابہریہ کے ان دو بزرگوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ہمیں اپنے مطالعہ اور تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ جذبہ کی لوطریقہ ابہریہ کے تمام بزرگوں میں بہت اونچی رہی ہے اور اس دولت میں یہ طریقہ

ایشیخ ابو الدین کرمانی اور شیخ ابو الدین اوحسی اصفہانی رحمہ کے اوپر مذکور حالات طریقہ الحقائق سے بھی مانوڑیں۔ دیکھئے۔ ص ۶۲۶ تا ۶۳۲ - ج - ۲

دیگر طرق سے ممتاز رہا ہے۔ مثلاً شیخ رکن الدین سبحانسی سے یہ جذبہ شیخ شمس تبریزی کے سینہ بے کینہ میں منقول ہوا ہو تو وہ ہر وقت آتش بدماں رہنے لگے۔ پھر وہاں سے نکلا تو مولانا روم کے لئے مادہ اشفتگی بن گیا۔ ازاں بعد ان کے سلسلہ مولویہ کا آج تک نمایاں وصف یہی جذبہ ہے۔

الطریقۃ الابرہیہ الاوحدیۃ کے اس نمایاں وصف کو جس کی تحقیق اوپر ہوئی ہے اگر زبردست تالیف لاہور کے دو قدیم صوفی کے مطالعہ کے دوران پیش نظر رکھا جائے تو اس سے حضرت اسحاق کاذرونی علیہ الرحمۃ کے مزاج اور ان کی طریقت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ سے متوسل تھے اور انہوں نے انہی مشائخ کے "آثار قدم" سے دولت عرفان و قبول حاصل کی تھی۔

طریقۃ اوحدیہ ابرہیہ یا ابرہیہ اوحدیہ میں و نور جذبہ اور قلندری فیض کی تحقیق جو اوپر ہوئی ہے اس کی تائید دور حاضر کے ایک برگزیدہ صاحب معنی و نظر نقشبندی بزرگ حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ محبوبی نانوگی اور مجددی متوفی ۱۹۶۱ء علیہ الرحمۃ کے ارشادات سے ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت شیخ اسحاق کاذرونی علیہ الرحمۃ کے بارے میں ان سطور کے راقم سے فرمائے۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔ "میرے حضرت خواجہ صاحب (خواجہ محمد مصطفیٰ محبوب عالم سیدی نقشبندی مجددی نانوگی متوفی ۱۹۱۷ء مصنف کتب نو کہ خیر و خیر الخیر و تنویر الابصار و الاسرار الجلیل الی الرب الجلیل) نے فرمایا تھا۔ شیخ سید اسحاق کاذرونی اکابر میں سے ہیں۔ ان کے مزار پر بیٹھنے سے نسبت پختہ ہو جاتی ہے۔" ازاں بعد راقم کو فرمایا۔ "تم وہاں جایا کرو۔" راقم نے عرض کیا۔ "مجھے وہاں سکھ ہو جاتا ہے۔ لہذا مجھ پر وہاں حاضری کی پابندی نہ فرمائیے۔" فرمایا۔ "ان کی نسبت طویل ہے

۱۔ رکن الدین شمس راگفت "ترا باید رفت و در روم سوختن ابست و آتش دروی می باید زد۔" شمس باشارت پیر روی بہ روم نہاد و در شہر قونیہ دید مولانا بھراستر نشستہ تا باخر قصد۔ طریق الحقائق ص ۳۱۶ - ج ۲ -

۲۔ تہ کی میں سلسلہ مولویہ، برصغیر کے طریقہ قلندریہ سے مشابہ ہے۔ خاص محافل میں رقص (جھنگڑا) ان کا امتیازی نشان ہے۔ لہذا یہ طریقہ رفاصیہ بھی کہلاتا ہے۔

لہذا سکر ہوتا ہوگا۔ مگر وہ جامع بھی ہے۔ اس لئے جایا کر و۔  
حضرت امام ربانی حبیب الدین تانی شیخ احمد سرہندیؒ متوفی ۱۰۳۴ھ کے ایک  
مکتوب میں تحریر ہے کہ طویل نسبت منتهی قلندروں اور اہل جذبہ کی ہوتی ہے۔ اور  
جامع اور عریض نسبت ارباب سلوک اور صحو کی ہوتی ہے۔  
چنانچہ حضرت شیخ سید اسحاق گزرونیؒ کی نسبت طویل اور جامع ہے تو واضح ہوا کہ  
وہ منتهی اہل جذبہ ہیں مگر سالک کامل بھی ہیں۔

حضرت سید اسحاق گزرونیؒ کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور ان کی نسبت عزیز کی  
پرمانگی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے معاصر مشہور شیخ الطریقہ حضرت سید  
امیر کبیر علی ہمدانیؒ متوفی ۸۶۷ھ طریقت میں آٹھ واسطوں سے حضرت ابوالنجیب  
ضیاء الدین عبدالقادر سہروردیؒ سے واصل ہوتے ہیں۔ جبکہ حضرت سید اسحاق گزرونیؒ  
صرف چار واسطوں سے ان سے جانتے ہیں۔

اور اگرچہ صوفیاء کا مشہور مقولہ ہے کہ دین راہ ہر چند وسائط بیشتر قرب الہی بیشتر  
تہجمہ! اس راہ میں جس قدر واسطے زیادہ ہوں قرب الہی اتنا ہی بڑھ جاتا ہے تاہم سند میں  
تلت رجال نسبت کی اصلیت کے محفوظ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔ نیز اس سے یہ  
پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ تلت رجال کی وجہ سے عمروں کی زیادتی تھی۔ یعنی شیوخ سلسلہ کبیر  
السن تھے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس نسبت کو انواع عبادات، ریاضات  
اور مراقبات سے خوب پختہ کیا تھا۔

۱۔ امیر کبیر علی ہمدانیؒ مرید شیخ محمود مزدقانیؒ مرید شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ مرید شیخ نور الدین عبدالرحمن  
کسریؒ اسفرائینیؒ مرید شیخ جمال الدین احمد جوزفانیؒ مرید شیخ علی بن لالا مرید شیخ نجم الدین کبریؒ  
مرید شیخ عمار یا سمراندسیؒ مرید شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ (طریق الخفایق ص ۳۲۱ ج ۲)  
۲۔ سید اسحاق گزرونیؒ مرید شیخ اوسد الدین اوسدیؒ اصفہانیؒ مرید شیخ اوسد الدین اوسد حامد کرمانیؒ  
مرید شیخ رکن الدین سجاسیؒ مرید ابوالنجیب سہروردیؒ۔

۳۔ اہل جذبہ طریقہ ملامت پر عامل ہونے کی بنا پر ریاضے سے مبرا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا اخلاص کامل  
ہوتا ہے۔ لہذا پختگی اخلاص کی بنا پر انکی نسبت بنیادی طور پر پختہ ہوتی ہے (نسبت کا مطلب  
بھی اخلاص ہے۔)



چنانچہ گذشتہ صفحات میں مذکور حضرت خواجہ محبوب عالم سید وی علیہ الرحمۃ کے اس قول "حضرت شیخ اسحاق گادرونی علیہ الرحمۃ کے مزار پر بیٹھنے سے نسبت پختہ ہو جاتی ہے" کی تشریح اور توضیح بھی یہی رہے کہ شیخ گادرونی رحمہ کو نسبت اپنے اکابر سے ملی تھی وہ ان کی سند طریقت میں قلت رجال کی بنا پر نہایت پختہ تھی لہذا اس نسبت سے جو طالب استفادہ کرے گا۔ اس کی نسبت بھی پختہ ہو جائے گی۔

بعض مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اشتباہ کھایا ہے اور حضرت شیخ اسحاق گادرونی متوفی ۸۶۷ھ کے حالات اور حضرت شیخ ابوالاسحاق ابراہیم بن شہریار گادرونی رحمہ بن سیدی متوفی ۴۲۶ھ کے حالات کو باہم غلط ملط کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث تو جناب میاں اخلاق احمد صاحب نے کی ہے۔ میں یہاں اس فنشباہ الاسم شخصیت یعنی حضرت شیخ ابوالاسحاق ابراہیم بن شہریار گادرونی کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ان کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی متوفی ۲۹۸ھ تک پہنچتا ہے۔

ابوالاسحاق ابراہیم بن شہریار گادرونی رحمہ مرید ابوالوعلی حسین بن محمد الفروز آبادی الاکار مرید ابو عبد اللہ محمد بن الخفیف الشیرازی رحمہ مرید شیخ ابو محمد بن احمد رویم مرید الطائف ابو القاسم جنید بغدادی۔

یہ اپنے زمانہ کے نہایت سربراہ اور وہ اور باہر تربیت کا رکھے اور اس بنا پر "مرشد" معروف ہو گئے تھے۔ حضرت علی بن عثمان بھجوری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اپنی تالیف لطیف کشف المحجوب میں مشائخ فارس کے ضمن میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

"شیخ مرشد ابوالاسحاق بن شہریار از مختشان قوم بود و سیاستی عام داشت"

ان سے کثیر اکابر زمانہ نے فیض اٹھایا۔ گویا وہ ایک زمانے کے مرشد تھے۔ چنانچہ ان کے سلسلہ کا نام بھی مرشدیہ ہوا ہے۔ یہ سلسلہ اوسیر اور گادرونیہ بھی کہلاتا تھا۔ اور اس

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۸۷۸ = طرائق الحقائق - ص ۴۹۶ - ج ۲

۲۔ کشف المحجوب نسخہ ڈوکوفسکی طبع ایران - ص ۲۱۵

۳۔ منوچہر حسنی: در احوال و آثار شیخ نجم الدین کبری طبع تہران ۱۳۲۶ شمسی - ص ۷۳

سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی جیسے عظیم  
مشاہخ نے بوساطت ان سے فیض پایا ہے۔

ان سے کثیر سلسلے متفرع ہوئے۔ اور ان کے متوسلین کا حلقہ ایران برصغیر پاک و ہند اور چین  
تک پھیل گیا۔ چنانچہ زمزمہ الخواطر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں ملیباہ  
کے علاقے میں کالی کٹ کے مقام پر سلسلہ گازرونیہ یا مرشدیہ کی ایک زبردست خانقاہ تھی  
جس کے شیخ حضرت خواجہ شہاب الدین گازرونی تھے۔ وہ چین کے متوسلین سلسلہ ابی اسحاق  
گازرونی کے بھی بلجاء تھے اور ان سے نذرانے وصول کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے انکے صاحبزادے  
فخر الدین گازرونی سے ملاقات کی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے سفر نامے میں انکا ذکر کیا ہے۔  
شیخ ابواسحق گازرونی کا مزار پر الوار گازرون میں ہے۔ ابن بطوطہ وہاں ۷۲۶ھ میں حاضر  
ہوا تھا۔ اس نے اپنے سفر نامہ میں وہاں کی خانقاہ کے حالات لکھے ہیں۔ منجملہ ان میں وہ بتاتا ہے کہ  
آں شیخ ابواسحق رحمت اہل ہند اور اہل چین کے نزدیک بہت ہے۔ چنانچہ ہندوستان اور  
چین کے سمندروں میں سفر کرنے والوں کی عادت ہے کہ جب ہوا مخالف ہو جائے اور چوروں  
کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ شیخ ابواسحق کے نام کی نذر مانگتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کا ہر مسافر اپنے  
اپنے طور پر منت مانگا ہے۔ پھر جب جہاز سلامتی سے منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے تو اس خانقاہ  
کے خدام جو ان سمندروں کی ہر بندرگاہ پر موجود ہوتے ہیں ان مسافروں سے نذریں وصول کر  
لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور چین کی طرف سے خلیج فارس (گازرون اس کے  
ساحل پر واقع ہے) آنے والے ہر جہاز میں اس خانقاہ کی نذر و نیاز کے ہزاروں دینار ہوتے  
ہیں۔ جنہیں وکلائے خانقاہ (ایجنٹ) وصول کر لیتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ شہنشاہ ہند  
نے بھی اس خانقاہ کے لئے دس ہزار دینار کی نذر مانی تھی۔ جب خدام خانقاہ کو پتہ چلا تو ایک خادم  
ہندوستان روانہ ہوا اور نذر وصول کر کے واپس آگیا۔

۱۔ در احوال و آثار نجم الدین کبریٰ اویسی از منوچہر حسنی ص ۲۹، ۳۳، طرائق الحقایق  
ص ۳۰۹، ۳۳۵، ۳۳۶، ۶۴۲

۲۔ زمزمہ ۲۶ : ۶۰

۳۔ رحلتہ ابن بطوطہ تحقیق و تقدیم و تعلیق الدكتور علی المنتصر الکتانی طبع بیروت ۱۹۶۵ء

ج - ۱ ص ۲۳۶، ۲۳۷

اس ضمن میں ہے، پسنہرئی منگھم نے بھی کچھ تفصیلات دی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ہر  
بندرگاہ پر اس خانقاہ کے فدام اور خلفاء موجود ہوتے تھے جو مسافروں میں "برکت" تقسیم کرتے  
تھے اور شیخ ابواسحاق کے نام سے نذریں وصول کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آج کل راولپنڈی، پشاور، سیالکوٹ اور ملتان سے لاہور  
کی جانب چلنے والی اکثر بسوں پر حضرت علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش کا  
اسم گرامی اور ان کے بارے میں یہ مشہور شعر درج ہوتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کا ملل برادر ہما

اس طرح بحر ہند اور بحر چین میں چلنے والے سفینے شیخ ابواسحاق کا ذرونی زہ کی عقیدت اور ارادت  
کے ساتھ چلتے تھے اور مصائب اور آفات میں ان کے مسافران کی روح سے مدد طلب  
کرتے تھے۔

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہر یار گازیرونی سے متفرع ہونے والے سلاسل کے لئے دیکھے  
طرائق الحقائق جلد دوم ص ۱۷۳، ۳۰۹ اور ۳۲۹۔ شیخ فرید الدین عطار نے آپ کے حالات  
اور فرمودات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دیکھے تذکرۃ الاولیاء ص ۳۹۱ جلد دوم باب ۹  
طبع لندن بسعی ریٹاڈ ٹیکسٹن۔ ان کے حالات کے مزید ماخذ مندرجہ ذیل ہیں۔

فارسانامہ ابن البلیخی چاپ طهران ص ۱۱۹، تاریخ گزیدہ ص ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸،  
القلوب ص ۱۲۶، شیراز نامہ ص ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷،  
حبیب السیر جزء ۳۔ از جلد ۲ ص ۶۴، سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۱، فارسانامہ ناصری جلد  
دوم ص ۲۳۹ آثار العجم ص ۳۲۶، ۳۲۷ اور نامہ وانشوران ناصری جلد ۸ ص ۳۳۔  
کتب تاریخ اور تذکروں میں یہ شیخ ابواسحاق گازیرونی نہایت معروف ہیں مگر جو  
سید اسحاق گازیرونی زمینی ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸،  
ہیں۔ ان کے بارے میں اکثر تذکرے خاموش ہیں اور جن چند کتب میں ان کا تذکرہ دستیاب

۱۔ دی صوفی آرڈرز ان اسلام طبع اکسفورڈ پریس لندن۔ ۱۹۷۱۔ ص ۲۳۶

۲۔ دیکھے جنید شیرازی، معین الدین ابوالقاسم: شد الاذاری فی حط الاوزار عن زوار العزار بتصحیح  
وتقدیم وکشیہ محمد قزوینی طبع تهران۔ ص ۴۹ جانشیہ ۶

ہوتا ہے وہ بھی چند سطور سے زیادہ نہیں ہے اس لئے ان کے دیگر حالات کی تفصیلات کی طرح یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ لاہور میں کب اور کن حالات کی بنا پر آئے۔ کیا گازرون میں بدامنی اور بے چینی تھی۔ یا برصغیر کے بہتر حالات نے کشش کی یا تبلیغ و ارشاد کا داعیہ محرک ہوا۔ مفتی غلام نے صرف ایک فقرہ لکھا ہے۔

اول در شہر گازرون اقامت و اشت بعد ازاں باشارت غیبی در لاہور آمد۔  
یہ فقرہ قریباً ایسے تمام صوفیاء کے حالات میں آتا ہے جو نقل مکانی کر کے دوسری جگہ بالخصوص برصغیر میں آئے اور اس کا عام پس منظر ان کے آبائی اور سابقہ علاقوں میں سیاسی بے چینی اور بدامنی ہی رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گازرون میں حالات جو گم گم ہو گئے ہونگے۔ شیخ نے برصغیر کے بہتر حالات کے بارے میں سننا ہو گا اور استخارہ کیا ہو گا۔ اشارہ اسی حق میں ہوا ہو گا تو شیخ نے حسب اشارہ یہاں تشریف لائے ہوں گے۔

بلکہ شبہ یہ قیاس اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ اور تاریخی حالات اس کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ برصغیر میں صوفیاء کا کثرت سے ورود ان مواقع پر ہوا ہے جب بعض ممتاز حملہ آور یہاں قدم جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت صوفیاء نے اپنے پاکیزہ کردار اور شیریں اخلاق سے اسلام کی اصل حکومت کو مقامی باشندوں کے اذہان و قلوب پر قائم کیا۔ مثلاً: نوری دور میں جب لاہور سلطنت غزنین میں شامل تھا۔ صوفیائے کرام یہاں آئے۔ پھر شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت جب وہ اسلامی حکومت کو مستقل طور پر پوسے برصغیر میں قائم کرنے کا خواہاں تھا۔ صوفیائے کرام کا دوسرا ریلہ یہاں آیا اور اس وقت خواجہ معین الدین حسن سبکی نے لاہور سے آگے بڑھ کر اجمیر میں قیام کیا اور امام علی الحق سیالکوٹی نے سیالکوٹ میں ازاں بعد صوفیاء کا تیسرا ریلہ برصغیر میں اس وقت وارد ہوا جب حضرت سید امیر کبیر علی ہمدانی نے متوفی ۷۸۶ھ کشمیر تشریف لائے۔ اس وقت کشمیر اور برصغیر کے سیاسی اور مذہبی حالات کیا تھے جو ان کی آمد کا محرک ہوئے۔ اس بارے میں مختصر عرض ہے کہ اس سے پہلے تعلق (۶۲۵ھ-۶۵۲ھ) برصغیر پر حکمران تھا۔ اس کے زمانے میں برصغیر بغاوتوں اور بد نظمی کا شکار رہا۔ پروفیسر آغا ہدی حسین نے ایسی ایکس (۲۱) بغاوتوں کا حال لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ بغاوتیں ہنود کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی طرف سے ہوتی تھیں۔ اور ان میں سرکردہ لیڈر مسلمان

علماء، فقہاء، قضاة، خطباء، مبلغین اور مشائخ یا اولیاء اللہ ہوتے تھے۔ جو برنی کے بقول "خواص خلق" اور "مردم گزیدہ و چیدہ تھے"۔ چنانچہ پہلے جب کوئی بغاوت فرو ہوتی تھی تو سلطان کے ظلم و ستم کا نشانہ یہی اکابر دین بنتے تھے۔

Them Ruth Less by the death

چنانچہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ۱۷۵۶ء میں متوفی ہوئے اور شیخ شہاب الدین رحمانی گو شہید ہوئے۔ جبکہ شیخ شمس الدین رحمانی کو برصغیر ترک کرنے اور کشمیر جانے پر مجبور کیا گیا۔

لہذا اس دہشت اور بددلی کی بنا پر جو اس کی طرف سے علمی اور عرفانی حلقوں میں پھیل چکی تھی۔ اکابر دین وطن عزیز کو چھوڑ کر باہر جانے لگے۔ سیدہ حلال الدین بخاری اوجی معروف محترم جہانیاں بلا و عرب میں چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں سیاحت اور علمی استفادہ کرتے رہے حتیٰ کہ پھر فیروز شاہ کے زمانے میں واپس برصغیر آئے۔ یہی حال شیخ شرف الدین کجی منیری اور سید اشرف جہانگیر سمٹانی کا تھا۔

محمد شاہ تغلق کے بدامنی اور بد نظمی کے دور کے بعد فیروز شاہ تغلق (۱۵۲۰ء - ۱۵۹۰ء) کا عہد حکومت دو حصوں میں منقسم ہے۔ جس میں سے پہلا دور بیس سال (۱۵۲۰ء - ۱۵۶۲ء) کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس میں اس نے اپنے پیشرو کی پالیسیوں کو کم و بیش برقرار رکھا اور اگرچہ اکابرین پر وہ سختیاں نہیں رہی تھیں۔ لیکن ابھی انہیں حکومت کے ہاں عزت و احترام کا وہ مقام نہیں ملا تھا۔ جو سابقہ حکومتوں میں ان کو حاصل تھا۔ چنانچہ فیروز شاہ بھی اپنے پیشرو کی طرح مقامی اکابرین کی نسبت باہر سے آنے والے اکابر کو زیادہ وقعت دیتا تھا۔

دوسری طرف کشمیر میں حالات اور زیادہ خراب تھے۔ اکثر آبادی ہنود کی تھی اور جو لوگ دولت اسلام سے شرف یاب ہو چکے وہ اسلام کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے۔ لہذا

- ۱- تغلق و انٹسٹی۔ طبع کلکتہ۔ ۱۹۳۳ء میں، ۲۶۱
- ۲- ایس۔ ایم۔ اکرام: مسلم رول ان انڈیا۔ طبع لاہور ۱۹۶۶ء۔ ص ۹۷
- ۳- خزینۃ الاصفیاء ص ۵۸ ج ۲ طبع نو لکھنؤ۔ تغلق و انٹسٹی۔ ص ۳۹۲
- ۴- ایس ایم اکرام: مسلم رول ان انڈیا۔ ص ۱۹۸

وہاں تبلیغ و ہدایت کی ضرورت بہت شدید تھی۔ وہاں کا حکمران سلطان شہاب الدین ایک  
 بیدار مغز اور بہادر آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں معروف ہے کہ ”روزِی کہ نامہ فتح از جای  
 نمی آمد آروز را داخل ایام عمر نمی دانست“ اس نے پھلی سوات گلگت بلتستان اور لداخ  
 پر قبضہ کرنے کے بعد کوہ ہند و کش تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ پھر پنجاب (لاہور۔ ملتان) کو اپنی  
 حدود و مملکت میں لانے کے بعد راجہ نگر کوٹ سے مقابلہ کے لئے بڑھا اور اس کو شکست دی۔  
 ازاں بعد وہاں کی طرف سے نہ ہوا اور فیروز شاہی افواج کو دریائے ستلج کے کنارے شکست فاش دی۔  
 فیروز شاہ نے صلح کر لی۔ اور سرہند تک کا علاقہ شہاب الدین کی سلطنت کشمیر میں شامل تسلیم کر لیا گیا۔  
 یہ واقعہ ۷۶۶ھ کا ہے۔ اس وقت ترک شہاب الدین فارخ کارو پ دھارے ہوئے تھا۔ اور ہنوز  
 اس کے اندر معاشرتی اصلاح اور مذہب کی ترویج کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں پنجاب کی حالت یہ تھی کہ یہاں کے ہندو راجے ہر چھارے رہتے تھے اور وہ ہلی کی  
 حکومت ان کا محاسبہ نہیں کر سکتی تھی۔ نیز منگول اکثر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ پھر فیروز شاہ تغلق  
 کے ساتھ سلطنت کشمیر کی جنگوں کا میدان بھی یہی علاقے بنتے تھے۔ چنانچہ پنجاب کا امن و سکون  
 بر باد رہتا تھا۔

ایسے حالات میں برصغیر کے صوفیاء اور کشمیر کے اکابر دین پیرون برصغیر سے کسی ایسی موثر  
 شخصیت کی تلاش میں کوشاں ہوئے جو ایک طرف برصغیر میں حکومت کے ہاں اکابر دین کا سابقہ  
 احترام مجال کر سکے اور دوسری طرف خطہ کشمیر میں تبلیغ و ارشاد کے عظیم کارنامے کو باحسن و جوہ  
 انجام دے سکے۔ یہ شخصیت بالآخر انہیں حضرت امیر کبیر علی ہمدانی رح کی ذات بابرکات میں مل گئی۔

۱۔ تاریخ فرشتہ طبع نو لکھنؤ۔ ص ۳۲۹-ج ۲

۲۔ ایضاً: محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں۔ ص ۶۹ طبع اعظم گڑھ۔ سیدہ اشرف ظفر:

امیر کبیر علی ہمدانی طبع لاہور ص ۱۲۳ و ۱۲۴ = گیتی آرا سالک = نگارشات پروفیسر علم الدین

سالک: کشمیر میں مسلم کلچر ص ۱۷۶ = تاریخ فرشتہ ص ۲۳۹ ج ۲

۳۔ کیونکہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق بھی بیرونی علماء کے زیادہ قدر دان تھے۔ اور مقامی

علماء کی زیادہ قدر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق کے دربار میں ابن بطوطہ ۹ سال منصب

قضاة پرفا ہو رہا۔ شیخ محمد آرام: مسلم رول ان انڈیا۔ ص ۱۹۸

چنانچہ حضرت امیر نے اپنے دو علم زادوں کو کشمیر روانہ کیا۔ جن میں سے حضرت سید میر حسین  
 سمنانی نے سلطان کشمیر شہاب الدین کو متاثر کیا اور وہ ان کا مرید ہو گیا۔ ازاں بعد حضرت امیر خود تشریف  
 لائے تو ان کے اثر و رسوخ سے شہنشاہ ہند اور سلطان کشمیر کے مابین جنگوں کے سلسلے کا خاتمہ ہو گیا  
 پھر ان دونوں کے مابین پیار و محبت کے رشتے استوار کرنے کے لئے حضرت امیر کبیر نے  
 فیروز شاہ کے تین لڑکوں کی شادیاں شہاب الدین کی تین لڑکیاں سے کر دیں۔ اس طرح  
 برصغیر اور کشمیر دونوں مقامات پر امن و امان کی فضا قائم ہو گئی۔ چنانچہ شہاب الدین کے حالات  
 میں درج ہے کہ اس نے عمر کے آخری نو (۹) سال جنگ و جدل سے برطرف رہ کر نہایت سکون  
 سے گزارے۔ جہاں کشمیر اور پنجاب میں اس کی حدود سلطنت میں امن و امان پیدا ہوا وہاں  
 صوفیائے کرام اور علمائے عظام کو مذہب کی ترویج و اشاعت کی پوری آزادی بھی ملی۔ چنانچہ علامہ  
 اقبال نے اس کی تعریف میں کہا ہے۔ ”خاک ماویگر شہاب الدین نزاو“

ازاں بعد اس کا بیٹا ہندل قطب الدین (۶۶۲ھ/۶۱۳۶۳-۶۹۰ھ/۶۱۳۸۸) خود  
 حضرت امیر کبیر کا مرید تھا۔ اس کا سارا دور حکومت نہایت پرسکون تھا اور اسلامی رشتہ و  
 ہدایات کا ایک زریں باب تھا۔ اس دور میں حضرت سید امیر کبیر کشمیر میں قیام پذیر ہوئے۔ ان  
 کے ساتھ سادات کے سات سوا فراد بھی کشمیر آئے۔ علاوہ ازیں ان کے تحریک سے سادات  
 علماء، عرفا اور مبلغین برصغیر میں بھی آکر قیام پذیر ہوئے۔ خصوصاً پنجاب میں جو ان دنوں سلطنت  
 کشمیر میں شمار ہوتا تھا اور کشمیر اور برصغیر دونوں جگہ کی حکومتوں نے ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی۔  
 یقیناً ایران کے صوفیاء کے لئے ان بہتر حالات میں سامان و عوت اور وجہ کشش موجود تھی۔ جسے  
 ایرانی علاقوں میں مقامی بدامنی اور بے چینی نے اور زیادہ کر دیا۔

چنانچہ آخری ایلمانی حکمران انوشیروان عادل (۶۴۴ھ/۶۵۶ھ) کی وفات کے بعد ایران میں  
 طوائف الملوکی پھیل گئی۔ پھر امیر شیمور گورگان معروف بہ صاحبقران (۶۳۶ھ/۸۰۷ھ) نے ۶۶۱ھ  
 میں کمان حکومت پہنا اور ۶۸۰ھ/۱۳۸۰ء میں خراسان ماثر ندران افغانستان اور سیستان پر حملہ کر کے  
 ان پر قبضہ کر لیا۔ پھر ۶۸۴ھ/۱۳۸۴ء میں ماثر ندران آذربائیجان عراق اور فارس (شیراز)

۱- سیدہ اشرف ظفر: حضرت سید امیر کبیر علی ہمدانی ج طبع لاہور۔ ص

پرو دوبارہ حملہ کر کے ان کو اپنا مطیع کیا۔ یہاں تک کہ ۶۹۲ھ / ۱۳۹۲ء میں شیراز پر دوسرا بڑا حملہ کیا اور وہاں کی مقامی حکومت دولت مظفریہ کا خاتمہ کر دیا۔

ایرانی علاقوں میں سب سے بڑی بے چینی یہی تھی جس کا اثر ماوراء النہر پر سب سے زیادہ ہوا۔ وہ علماء، صلحا اور عواد سادات کامرگز تھا۔ چنانچہ وہاں ۷۸۰ھ / ۱۳۸۰ء میں تیمور کے پہلے حملہ ہی سے پریشان ہو کر اشارہ غیبی کی بنا پر حضرت امیر کبیر علی ہمدانی سادات ہمراہ لے کر کشمیر آگئے جو تیمور کی دست برد سے محفوظ تھا۔ ۳۔ اسی طرح دیگر صوفیائے کرام بھی اشارہ غیبی (استخارہ) کے بعد برصغیر کے لئے آمادہ سفر ہوئے۔

آٹھویں صدی ہجری میں برصغیر کشمیر اور ایران کے سیاسی اور مذہبی حالات کے پس منظر کی اس تحقیق کے بعد حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی برصغیر میں آمد کے بارے میں دو قسم کے قرائن سامنے آتے ہیں۔

(۱) برصغیر میں گزرونی سادات ادرج کے مقام پر قدیم زمانہ سے آباد تھے گا اور وہاں کے بخاری گیلانی سادات کے ساتھ ان کے روابط قائم تھے۔ چنانچہ سلطان محمد تغلق کے دور بدامنی میں جب وہاں کے حضرت مخدوم جہانیاں تبدیل ہو کر بلاد اسلامیہ کے سفر پر گئے تو وہ گزرونی بھی گئے اور وہاں حضرت شیخ سید امین الدین گزرونی سلمہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ امام الدین گزرونی سے خلافت، سجادہ اور مقراض لائے۔ یہ یقیناً گزرونی میں قیام کے دوران وہ وہاں کے دیگر اکابر سادات سے بھی ملے ہوں گے۔ اور انہیں میں ان کی ملاقات حضرت سید اسحاق گزرونی سے بھی ہوئی ہوگی۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان کو برصغیر آنے کی ترغیب بھی حضرت مخدوم جہانیاں ہی نے دی ہو جس کو مزید تقویت ان روایات کے سماع سے ملی ہو جو بقول ابن بطوطہ ایرانی علماء کے لئے

اتما ۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے، سیدہ اشرف حفصہ: سید امیر کبیر علی ہمدانی رح

طبع لاہور ۱۹۶۶ء - ص ۵۵، ۵۳، ۶۲، ۶۵، ۶۳، ۷۶۔

۴۔ مسعود حسن، شہاب: خطہ پاک ادرج، اردو اکیڈمی بہاول پور ۱۹۶۶ء ص ۱۱۶، ۱۹۳

۵۔ ایضاً ص ۲۲۶ - ۶۔ آپ شاہ فارس اتابک مظفر الدین تنکھ بن زنگی کے وزیر اور میں سے

تھے۔ کبار اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔ اکثر اہل فارس ان کے مرید تھے۔ اور خود حاتم زمانہ تھے۔

حافظ شیرازی نے ان کی مدح کہی ہے۔

۵۔ احمد امین رازی: ہفت اقلیم، تہران ج ۱ ص ۱۷۷، ۱۷۸، خزینہ ص ۲۶



سلاطین ہند کی گراں قدر نوازشات اور شاندار پذیرائی کے بارے میں وہاں مشہور تھیں۔ چنانچہ ایک قریب  
یہ ہے کہ جب حضرت مخدوم جہانیاں فرور شاہ تغلق کے پڑا من دور میں ادیح واپس آئے تو حضرت  
سید اسحاق گزرونی رح بھی ان کے ساتھ برصغیر تشریف لے آئے۔ اور براہ ادیح لاہور آئے۔

(۲) حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی عمر عزیز کا اکثر حصہ فارس اصفہان اور ماوراء النہر میں  
گزارا ہے۔ جہاں حضرت امیر کبیر علی ہمدانی رح کی آمد و رفت بھی رہی ہے۔ لہذا قوی امکان ہے کہ  
ان دونوں بزرگوں کی باہم ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ اور چونکہ دونوں بزرگوں کی سندِ طریقت شیخ  
ابوالنجیب سہروردی پر جا کر ایک ہو جاتی ہے۔ دونوں کے درمیان محبت کے روابط مضبوط ہوں  
گے اور اس لئے کہ حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی سندِ طریقت قلت و ساطط کی بنا پر حضرت  
امیر کبیر رح کی سندِ طریقت سے افضل ہے حضرت امیر کبیر رح ان کا احترام روا رکھتے ہوں گے۔

چنانچہ جب حضرت امیر کبیر رح ایران کے مختلف علاقوں میں تیموری یورشون کے باعث  
سادات کے قافلوں کو لے کر ۶۴۴ھ، ۶۸۱۰ھ اور ۷۸۵ھ میں تین بار کشمیر میں تشریف لائے  
تو کسی قافلہ میں شامل ہو کر حضرت سید اسحاق گزرونی رح بھی برصغیر آ گئے۔

لیکن اگر آپ مذکورہ بالا آخری دو سفروں میں یعنی ۷۸۱ھ یا ۷۸۵ھ میں برصغیر آئے ہوں۔  
تو اس حساب سے آپ کی وفات ۷۸۶ھ تک آپ کا یہاں زمانہ قیام علی الترتیب پانچ سال یا دو  
سال ہوتا ہے جو مفتی غلام سرور لاہوری کی اس معروف روایت کے خلاف ہے کہ

”باشادت غلیبی در لاہور آمد و مدت مدید بہدایت خلق مصروف ماند۔“  
کیونکہ پانچ سال  
یا دو سال کا عرصہ مدت مدید نہیں ہوتا۔ لہذا ان سے قبل کے زمانہ پر نظر کرنا ہوگی۔ چنانچہ آپ یا تو  
حضرت مخدوم جہانیاں رح کے ساتھ ۷۶۲ھ میں یہاں آئے یا حضرت امیر کبیر رح کے ساتھ ۷۶۴ھ میں  
تشریف لائے۔ اس حساب سے لاہور میں آپ کا زمانہ قیام الترتیب چودہ سال اور ۱۲ سال ہوتا ہے  
جو کسی حد تک مدت مدید شمار ہو سکتا ہے۔

لیکن ان دونوں قسراٹن کا تجزیہ کرنا اور یہ فیصلہ کرنا کہ آپ حضرت مخدوم جہانیاں رح کے  
ساتھ برصغیر آئے تھے یا حضرت امیر کبیر رح کے ساتھ ایک مشکل امر ہے۔ کیونکہ لاہور جہاں آپ

(۱) رحلة ابن بطوطہ، مصر: ج ۱، ص ۲۳۔ الفضل الرابع، العراق و فارس: مدینہ شیراز

(۲) سیدہ اشرف ظفر: امیر کبیر سید علی ہمدانی رح، ص ۷۵، ۷۶

۳: خسزینہ، ص ۹۳۷

قیام پذیر ہوئے ملتان (پس کے قریب اوتچ واقع ہے) اور پشاور کے مابین واقع ہونے اور دونوں  
شہر ان دونوں برصغیر وارز ہونے کے دو معروف دروازے تھے۔ چنانچہ لاہور کا عزم کرنے والا  
ادنیٰ ان دونوں راستوں سے پہاں اُسکتا تھا۔ لہذا اگر آپ حضرت مخدوم جہانیاں کے ساتھ تشریف  
لائے تو پہلے اوتچ پہنچے اور پھر وہاں سے لاہور آئے۔ اور اگر آپ حضرت امیر کبیر کے ساتھ  
آئے تو آپ اکیلے کیسے برصغیر وارد ہو گئے۔ جبکہ آپ کے قافلے کے اکثر لوگ کابل سے سیدھے  
کشمیر گئے؟

تاہم میرے نزدیک غالب فرینہ ہی ہے کہ آپ حضرت امیر کبیر کے ساتھ آنے والے  
قافلہ سادات میں ہم، ماہر میں لاہور تشریف لائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں مخدوم  
العلماء و مرجح العرفاء حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی مجددی۔ توکلی۔ محبوبی علیہ الرحمۃ  
منوفی ۱۹۶۱ء کا ایک ارشاد درج کرنا مفادیت سے خالی نہیں ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا :-

”حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ اور حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے مابین محبت اور  
احترام کے مضبوط رشتے قائم تھے۔ جب امیر تمپور کی مخالفت کی بنا پر حضرت  
امیر کبیر سادات سوسادات کے ایک قافلہ کو لے کر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے تو  
اس قافلہ میں حضرت سید اسحاق گازرونیؒ بھی شامل تھے۔ مگر کشمیر پہنچ کر حضرت  
امیر کبیرؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ موجود نہیں ہیں۔ تو آپ بہت فکر  
مند ہوئے اور آپ نے ان کی تلاش میں ادنیٰ روانہ کئے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کابل  
کے قریب قافلہ سے جدا ہو گئے تھے اور پھر کسی اور قافلہ میں مل کر برصغیر پہنچ گئے  
ہیں اور لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ اس پر آپ کو اطمینان ہوا۔ مگر پھر آپ نے پیغام  
بھیجا کہ کشمیر تشریف لے آئیں تو حضرت سید اسحاق گازرونیؒ نے جو ابا کہلا بھیجا کہ  
اب لاہور ہی سکونت رہے گی۔“

مزید برآں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ  
کے تعلقات حضرت امیر کبیرؒ کے علاوہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے بھی گہرے تھے۔ یہ تینوں بزرگ  
قریباً ہم عمر تھے۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔ اور ایک ہی سال ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے

حضرت مخدوم چہانیاں سلطان فیروز شاہ تغلق کے پیشوا تھے۔ اور حضرت امیر کبیر علی ہمدانی  
والی کشمیر سلطان ہند دل قطب الدین (۳۳۰ھ تا ۳۸۱ھ) کے مرشد بہت تھے۔ جبکہ حضرت  
سید اسحاق گاندوہی کی اپنی شخصیت بھی نہایت بااثر اور ممتاز تھی اور لاہور میں پنجاب کی  
صوبائی حکومت آپ کے ارشاد کو سراںکھوں پر رکھتی تھی۔ چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں  
”علمائے عظام و سادات کرام لاہور در حلقہ اطاعت و سے در آمدند و بہات  
ظاہری و باطنی مدد از روئے حق خواستند۔“

یعنی لاہور کے علماء اور سادات اپنی دنیاوی مشکلات کے حل کے لئے آپ سے حکومت  
کے نام سفارش کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی سفارش حکومت منظور کرتی تھی۔

حضرت شیخ سید اسحاق گاندوہی کے معاصر مشائخ میں سے حضرت امیر کبیر علی ہمدانی متوفی  
۷۸۶ھ کے علاوہ برصغیر میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری متوفی ۷۸۲ھ اور شیخ سید اشرف جہانگیر  
سمنانی متوفی ۸۰۰ھ ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلفاء میں سے شیخ حمید قلی در  
صاحب خیر الخاں (متوفی ۷۹۸ھ) شیخ یوسف چشتی (متوفی ۷۷۴ھ) شیخ احمد خانیسری متوفی  
۸۱۵ھ اور خواجہ گیسو ویرا (متوفی ۸۲۵ھ) ہیں۔ خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت  
صدر الدین عارف متوفی ۷۷۶ھ بھی اسی خانے میں تھے۔

بیرون برصغیر سلسلہ خواجگان میں سے حضرت شیخ امیر کلان (متوفی ۷۷۲ھ) خواجہ  
بہاؤ الدین نقشبند (سرخل سلسلہ نقشبندیہ) متوفی ۷۹۱ھ اور خواجہ علاؤ الدین عطار متوفی  
۸۰۲ھ کے ارشاد و ہدایت کی سرگرمیوں کا زمانہ بھی یہی تھا۔

بہر حال شیخ سید اسحاق گاندوہی نے ایک بزرگ نسبت اور گرجاچی قدر نعمت کے کہ  
برصغیر آئے تھے۔ اور ان بھی سلسلہ اودھیہ ابہریہ کی نسبت کا حامل درویش کامل ان کے سواپور  
برصغیر میں اور کوئی نہیں ہے۔ اور اس بنا پر یہ تمام صوفیائے برصغیر میں ممتاز ہیں۔

(۱) مذہبہ الخواطر، ج ۲، ص ۲۹، (۲) امیر کبیر سید علی ہمدانی۔ ص ۱۲۸، ۱۳۰

(۳) خزینہ نس، ۹۳۷

۱) سلسلہ اودھیہ سجائیہ ابہریہ یا سلسلہ ابہریہ سجائیہ اودھیہ کی دیگر شاخوں کے لئے جو ایران میں شائع  
ہوئیں، دیکھئے طرائق الحقائق ج ۲، ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۱۵، ۳۲۲، ۴۲۲، ۶۲۲، حسین کربلائی  
تبریزی: حافظ ابن الکربلائی: روایات الجنان و جنات الجنان طبع تہران ۱۳۲۲ شمسی ۱۹۶۵ء

ج ۱، ص ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳ = شد الاذکار ص ۲۹ حاشیہ ۶۔

حضرت سید صوف علیہ الرحمۃ کے بارے میں میرے پاس کوئی زیادہ معلومات مست نہیں ہیں۔ سوائے ان فہرہ مودات کے جو محمد دوم العلماء مزج العرفاء حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی علیہ مجددی توکل جھوبلی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمائے۔

(۱) نام: محمد حبیب اللہ، کنیت: ابوالعالم۔ عرف: مولوی صاحب گجرات والے، عرش مجید پھلیب الرحمن اور بارگاہ رسالت میں مولوی صاحب گجرات والے کہہ کر یاد کیا گیا۔ پیدائش: بارہ ۱۲ رجب ۱۳۱۲ھ/ ۹ جنوری ۱۸۹۵ء وفات: جمعرات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ/ ۵ اکتوبر ۱۹۶۰ء جائے ولادت: موضع جعفرکوٹ تحصیل اجٹالہ ضلع امرتسر۔ جائے وفات: مزارہ: مشہر گجرات پنجاب۔ خاندان: سادات حسنی۔ والد: مولانا سید عظیم محمد متوفی ۱۸۹۹ء، مختار عام رئیس رمدال داداجان: شجرۃ العلوم مولانا حافظ سید سکندر شاہ معروف بہ نٹھے شاہ متوفی ۱۹۰۱ء، مفتی صدر الدین اُردہ دہلوی اور مولانا افضل حق خیر آبادی کے ممتاز شاگرد، سلسلہ عالیہ قادریہ و سہروردیہ کے نہایت با اثر شیخ طریقت۔

تعلیمی کوائف :-

(۱) علوم دین: عربی و فارسی زبان و ادب از بحر العلوم مولانا محمد عالم اسی امرتسری و مولانا اصغر علی روجی

(۲) سدا جازۃ مرویات صحاح ستہ علی المشکوٰۃ۔ از صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی۔

(۳) ڈگری منصب پادری (LICENTIATE IN DIVINITY) از کیمبرج یونیورسٹی

لندن، سنٹر امتحان۔ امرتسر۔ استاد: ایس مرکیٹ و سال: ۱۹۱۵ء امتیاز: گولڈ میڈلسٹ۔

(۴) میٹرک۔ ۱۹۱۳ء ایم۔ اے او ہائی سکول امرتسر۔ تقریری مقابلوں میں اول۔

(۵) ایف۔ اے۔ ۱۹۱۶ء پرائیویٹ۔ تاریخ یورپ مفصل خاص مضمون۔

(۶) تدریس کا پیشہ وارانہ امتحان: جے اے وی از اسلامیہ کالج لاہور سال ۱۹۱۴ء امتیاز: اول

تدریس :-

جون ۱۹۱۴ء میں خود نواب سرفضل علی آپ کو زمیں دار ہائی سکول گجرات (پنجاب) میں لے

گئے۔ آٹھ ماہ شاہوکار :- ۶۰ روپے جو اس زمانے میں ٹیکس کا گریڈ تھا۔ مضمون

تدریس: انگریزی زبان۔ زمانہ تدریس: ۱۹۱۴-۱۹۲۶ء = ۲۹ سال۔

بیعت و شیخ طریقت؛ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ تو کلیہ میں ۱۹۱۴ء میں از حضرت  
خواجہ محبوب عالم توکلی سیدوی، صاحب ذکر خیر متوفی ۱۹۱۴ء اجازت و خلافت؛ ۱۹۱۶ء  
نعمت نامہ؛ وقت وفات ارشاد شیخ؛ مولوی صاحب؛ ہاں دیگر پکایاں تے تسی ورتا یو:  
دیگر اجازات۔

(۱) نسبت قادریہ ۱۹۱۴ء حجاز از حضرت قاضی سلطان محمود ساکن اعوان شریف۔

(۲) نسبت چشتیہ ۱۹۳۶ء حجاز از حضرت پیر ہر علی شاہ گولڑوی۔

(۳) نسبت نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ: ۱۹۲۰ء از حضرت میاں شیر محمد شریقی پوری بر موقعہ سالانہ  
عرس مکان شریف۔ ارشاد حضرت میاں صاحب قبلہ: اوجنیا اوج

ساری خلقت شیر محمدی اک جھک لی بتیاب اے تے شیر محمد تینوں دیکھدا نہیں رجا۔ تیرا پیر  
نور تے توں نور علی نور۔ ساڈے کولوں دی حصہ لے جا۔ پھر بغل گیر کر کے نسبت القاء کی  
اور اپنی تسبیح مبارک عنایت فرمائی۔

### تحقیق علوم و معارف و احوال

ہر مسئلہ کی خوب تحقیق کرتے تھے تب عمل کرتے تھے۔ اور طریقہ تحقیق ایسا نفیس تھا کہ  
علماء و نگ رہ جاتے تھے۔ معارف یقین آفرین اور شارح کتاب و سنت اور احوال اکابر  
منقذین کے احوال کی سچی تصویر۔ حکیم الامت مفتی اصحیار خان اکثر اپنے صبح کے درس  
قرآن میں آپ کے ان تینوں خصائص کو بیان کیا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس ارباب علم و  
فضل اور اصحاب عرفان و کمال سے آراستہ ہوتی تھی۔ اور وہاں مردم چیدہ و گزیدہ کسب  
فیض کرتے نظر آتے تھے۔

آپ نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۶۱ء تک ۴۶ سال مسند ارشاد و ہدایت کو روئی بخشی  
بہت سے فاضل انگریز پادری آپ کے وسیع مطالعہ و تقابل ادیان اور حسن اخلاق سے متاثر  
ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہوئے سینکڑوں غیر مسلم اسلام لائے اور اظہار طابان  
مولانا نے آپ سے نام حق کی تلقین پائی۔ آپ کی ذات بابرکات اہل سنت و جماعت کا  
بڑا مرکز، علماء و فضلاء کا مرجع اور اولیاء و عرفاء کا معیار تھی۔ چنانچہ حضرت الافاضل نے  
۱۹۳۶ء میں جب آپ کو مرویات صحاح سنہ کی اجازت دی تو پہلے آپ سے یہ طے کر لیا

”یہ صاحبِ نوجوانی میں ایک بلوے میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی نسبت بہت تیز ہے طبیعت جلالی ہے اور ان کا فخر نسکی تلوار ہے۔ ایک عالمِ فاضل شخص سید فضل شاہ ایک دفعہ ان کی قبر پر آ کر بیٹھا تھا۔ ان کی روح اس کی طرف مائل ہو گئی۔ انا فانا سے نسبت القاء کی اور اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے زمانے میں بہت بھاری مجذوب ہوا۔ مگر صاحبِ مزار کی کشش اس پر اتنی غالب تھی کہ باقی تمام عمر ان کے قریب و جوار ہی میں رہا اور کسی اور طرف نہیں گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صاحبِ حضرت سید اسحاق گارونی رح کے حقیقی بھائی ہیں اور پیر بھائی بھی۔ مگر یہ بات بھی پایہ تحقیق تک نہیں پہنچی۔“

”نسبت کی تیزی اور جذب کا غلبہ حضرت سید صوفی میں ہے مگر مقام کی بلندی، علم و فضل اور ارشاد و ہدایت میں حضرت سید اسحاق گارونی رح ان سے بہت اونچے ہیں۔“

یہ چند الفاظ گرامی قدر جناب میاں اخلاق احمد صاحب کے اصرار سے اس غرض سے تحریر کئے ہیں کہ قاری کو ان کی اس جدید تصنیف کے پڑھنے میں ان سے کچھ رہنمائی اور مدد مل سکے۔ اُمید ہے کہ میری اس کوشش سے فائدہ پہنچے گا۔ جبکہ اصل کام خود جناب میاں صاحب کی مساعیٰ جمیلہ ہیں۔ جنہیں وہ رشتہ تصوف کے ان خوبصورت اور قیمتی موتیوں کی قدر و قیمت کو علمی دنیا کے سامنے واضح کرنے کے لئے انجام دینے کے درپے رہتے ہیں۔ جس کے لئے صوفیاء کے ارادت مند اور علمی حلقے دونوں ان کے ممنون ہیں۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ سید محمد کبیر احمد مظہر

حاشیہ ص ۱۳۷ آگے اے مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء جمع لاہور ۶-۱۹-۶۱۹ - ص ۲۲۹

کہ آپ ازاں بعد مجھے اپنی نسبت القاء کریں گے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری بھی بکرات تشریف لائے تھے۔ آپ سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور نہایت متاثر ہوئے اور آپ سے التماس کرنے کے توجہ لی۔ زمانہ قریب میں جن اکابر علمائے نے آپ کی صحبت اٹھائی اور آپ سے فیض پایا۔ ان میں حکیم الامت مفتی احمدیہ خان، مولانا مفتی امین الدین کامونکی رح، مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری، مولانا عبدالکریم قلعہ واری، مولانا محمد عالم قلعہ واری اور مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم بھکھی شریف کے اسماء لئے جاسکتے ہیں۔ حضرت ملا شور بازار نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! عجیب سینہ صافی است کہ مثلش ندیدہ ام و مباہات می کنم کہ مثل ایشان در طریقہ جد گرامی ما حضرت امام ربانی رح ہستند۔“

# تعارف

جناب انجم رحمانی صاحب (ایم اے)

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ نہایت  
دلچسپ اور دلپزیر ہے۔ ہنگامہ کج بین، کج اندیش متعصب

لاہور میں اشاعت اسلام

یورپی اور ہندو مورخین نے اپنی بد نیتی اور تیرہ ولی کی بنا پر اس داستان کو ہمیشہ مسخ ہی کر کے  
پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ہمیشہ سے یہی پروپیگنڈا کرتے چلے آ رہے ہیں کہ  
ہندوستان میں اسلام کی اشاعت بجز ورتھمشیر اور صرف زر سے ہوئی۔ شاید انہیں ان حقیقت کے

اعتراف میں عار ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور برصغیر میں اس کی پذیرائی کا بڑا سبب یہی  
ہے۔ خدا کا خوف رکھنے والے تجار، علماء، فضلاء، صلحاء، صوفیا اور اکابرین عظام نے جب اپنے ریشہ  
و کردار کے ذریعہ اس کا اعلیٰ نمونہ یہاں کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو وہ بطیب خاطر اس کی طرف  
راغب و مائل ہوئے۔ ان بزرگوں کی کوششیں قابل صد تحسین ہیں کہ ان کے عمل اور تبلیغ سے  
اس سرزمین سے کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹے۔ دلوں کی تاریکیوں ڈھلیں۔ ذہنوں  
کے زنگار اترے اور لوگوں کے دل و دماغ رب واحد کے حسین تصور سے روشن ہو گئے۔  
سادہ لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر کے لوگوں کا قبول و ایجاب اسلام برضا و  
رغبت تھا کہ بجز ورتھمشیر اور صرف زر سے جیسا کہ غیر مسلم مورخین لکھتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کی تاریخ نہایت طویل ہے یہ کئی ایسے لرزہ  
خیز ادبجات آزما واقعات پر مشتمل ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ اس داستان  
کی مفصل تدوین ایک اہم ترین تقاضا ہے لیکن ان سطور میں ان کا احاطہ اس لئے نہیں ہو سکتا  
کہ اس وقت ہمارے پیش نظر میاں اخلاق احمد صاحب کی زیر نظر کتاب کا مقدمہ  
ہے۔ لہذا ہماری تمام تر توجہ حضرت سید اسحاق گزرونی رح اور حضرت سید صوف سے پیشتر لاہور  
میں اشاعت اسلام کی کوششوں تک محدود رہے گا۔ البتہ لاہور سے قبل برصغیر میں

ہونے والی اشاعتِ اسلام کو پس منظر کے طور پر اختصاراً پیش کر دیا گیا ہے۔

عرب تاجروں کے ذریعے عرب اور برصغیر پاک و ہند میں قدیمی تعلقات چلے آ رہے تھے۔ جس وقت خزفہ بر عرب میں ظہورِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم سے نورِ ایمان کی ضیا پاشی ہوئی۔ اس وقت برصغیر ہند اور چین مذاہب کے زمانے کتنے خنداؤں کی سر زمین تھی۔ کفر و الحاد کی تاریکیوں نے یہاں کے انسانی ذہن کو ماؤف کر رکھا تھا اور خود ساختہ خداؤں اور آٹاروں نے انسانی فکر و شعور کو اس طرح مسدود کر رکھا تھا کہ وہ مظاہرِ قدرت، ضاعتِ فطرت کے طلسمانِ غیب کھو کر حقیقت کا سانس نہ گم کر چکا تھا۔ اس بات کی تمیز نے یہاں کے باشندوں کے دل سے احساسِ انسانیت اور احترامِ آئیت کو مفقود کر دیا تھا۔ رسم و رواج کے بندھن، ذات پات کی قدغن اور پڑھائی کے قریب چکر نے انسانیت کو بے بس اور بے دم بنا کر رکھا تھا۔ عین اس وقت جبکہ سر زمینِ عرب میں ظہورِ اسلام ہوا، برصغیر میں ہندو مذاہب رو بہ زوال ہوا۔ چنانچہ عرب میں مہوڑہ کے ساتھ ہی اس کی روشنی سے برصغیر بھی روشن ہونے لگا۔ جس کا سبب عرب کے وہ نیک دل تاجر تھے جو تجارت کی غرض سے یہاں آتے جاتے تھے۔

برصغیر میں اسلام کی اشاعت کا سب سے پہلا مرکز جنوبی ہند میں مالابار ہے۔ سرود کاٹنا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہاں پر ہندو، عیسائی، یہودی اور مجوسی مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ اس زمانے میں حجاز، یمن اور مسقط سے تاجر مالابار میں بغرض تجارت آتے جاتے تھے۔ عرب تاجروں کی اس آمد و رفت کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم مالابار کے لوگوں کو ہو گیا تھا۔ خیرہ شق القمر کا ظہور مالابار کے راجہ اور دوسرے لوگوں نے مالابار میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ راجہ نے اس واقعہ کو روزنامے کے سرکاری رجسٹر میں درج کرنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں راجہ نے عرب تاجروں کے ذریعہ معجزہ شق القمر کی تصدیق کی تو وہ صدق دل سے مسلمان ہو گیا اپنی حکومت اپنے ولی عہد کے سپرد کی اور خود چپکے عرب روانہ ہو گیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف یاب ہو کر واپسی پر راستے میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

یہ ایک نمایاں واقعہ تجارتی رخ میں درج ہے مختصر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس پہلے اسلامی مرکز میں خواص و عوام کا قبولِ اسلام خالصتاً عرب تاجروں اور مبلغوں کی سیرت و کردار کا عملی اظہار تھا اور اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ جنوبی ہند اسلامی تہذیب کا ایک نہایت اہم مرکز بنا۔ اس



علاقے میں مالک بن دینار اور مالک بن حلیب کے ہاتھوں برصغیر میں اسلام کی پہلی مسجد شہر  
کدنگور (کالیکٹ) میں تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد نہ جانے قیام دین کے لئے یہاں کتنی ہی مسجدیں اور  
خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔

اسلام کی اشاعت کا دوسرا مرکز سندھ قرار پایا۔ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر  
اسلامی حکومت کا حصہ بنا اور برصغیر میں اسلامی داخلے کے اعتبار سے یہ "باب الاسلام" کے نام  
سے مشہور ہوا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کے شمال، شمال مغربی اور مغربی  
حصوں میں عرب پہلی صدی ہجری میں پہنچ چکے تھے۔ ۱۵ھ / ۶۳۶ء میں عربوں کا ایک لشکر سمندر  
کے راستے گجرات اور بھڑوچ کے مقامات پر پہنچا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں مہلب بن مغیرہ  
کی فوجوں نے کابل اور بلتان کے درمیان بعض علاقوں کو فتح کیا۔ ۹۳ھ / ۱۶۱ء میں محمد بن قاسم کے  
ہاتھوں سندھ فتح ہوا تو اس ملک کے اس حصے میں پہلی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا یہ حکومت  
اڑھائی تین سو سال تک قائم رہی۔ اس عرصہ میں خلفائے وقت اور سندھ میں ان کے نمائندہ  
نوروزوں نے مقامی راجاؤں اور حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال کئے۔ جس کے  
نتیجہ میں اکثر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح اس عرصے میں یہاں پر علماء، صوفیاء اور کابر دین  
کی سعی و کوشش سے اسلام کی اشاعت عام ہوئی۔ کئی اسلامی شہر آباد اور کئی اسلامی مراکز قائم  
ہو گئے۔ جن میں منصورہ، اوج اور بلتان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مجموعی طور پر اس عرصہ میں اشاعت  
اسلام کے سلسلے میں علماء اور مبلغین کی کوششیں مسلم ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں مرکزی  
حکومت کی ابتوری کے نتیجہ میں سندھ میں مسلمانوں کی حکومت متاثر ہوئی اور اشاعت اسلام کا  
یہ سلسلہ بلتان اور اس کے نواح تک پہنچ کر رک گیا۔

برصغیر کے شمالی اور وسطی حصے چوتھی صدی ہجری کے آخر تک نور اسلام سے محروم رہے  
اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم شمالی جانب سے غزنی کے حکمران امیر سبکتگین نے فتح پشاور کے  
ساتھ اٹھایا اور پنجاب کے پال خاندان کے بندوہرہ کی حکومت میں تھا۔ سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی  
نے اس کام کے بڑھایا اور اس نے ہندوستان پر مسلسل سترہ (۱۷) حملے کئے۔ ۶۱۲ھ / ۱۰۰۵ء

۱۔ یہ شہر کدنگور کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

۲۔ یہ مقام (Thana) علاقہ بلٹی میں بیان کرتے ہیں۔



حضرت شیخ شاہ اسماعیل لاہوری میں کب وارد ہوئے اس بارے میں بھی مورخین مختلف رائے ہیں بعض کے نزدیک آپ سلطان محمود غزنوی کے فتح لاہور سے قبل لاہور میں بسلسلہ درس و اشاعت اسلام رہائش پذیر تھے۔ لیکن اکثر مورخین کا خیال یہ ہے جو بظاہر درست بھی ہے۔ کہ آپ سلطان محمود کے ہاتھوں فتح لاہور (۴۱۲ھ / ۱۰۰۵ء) کے بعد یہاں پر تشریف لائے بعض کے نزدیک آپ لاہور کے اس حملے کے وقت سلطان محمود کے ہمراہ تھے۔ بہر حال حقیقت جو بھی ہو۔ یہ مسلم ہے کہ آپ لاہور میں اسلام کے پہلے مبلغ ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا لاہور میں قیام کہاں تھا؟ اور آپ کس مسجد میں درس و وعظ فرمایا کرتے تھے۔ تاریخوں سے معلوم نہیں ہو سکا۔ ذرا اندازہ فرمائیں کہ بخارا کے سادات اعظام میں ایک اجنبی کا اجنبی سرزمین اور مخالفین کے زرعے میں ایسے لوگوں میں وعظ فرمانا جو ہم زبان بھی نہ تھے کتنا جان جو کھوں کا کام تھا۔ آپ نے یہ کام نہایت جوصلہ مندی اور کامیابی سے کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ آپ ایک زبردست واعظ اور پرتاثر متکلم تھے۔ آپ کی زبان میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ پروالوں کی طرح کھنچے چلے آتے تھے۔ آپ کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم کثرت سے ہوتا تھا۔ اور ہر روز صد ہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور جو شخص ایک دفعہ آپ کے وعظ میں آتا تھا وہ بغیر کلمہ توحید پڑھے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتا تھا۔ رائے بہادر کنھیالال تاریخ لاہور ص ۳۰۸ میں بیان کرتے ہیں کہ آپ کے وعظوں کی تاثیر سے ہزار ہا لوگ جامہ اسلام پہنتے تھے۔ آپ حدیث و قرآن کے حافظ تھے اور آواز ایسی اچھی تھی کہ جس کے کان میں پڑ جاتی کھنچا چلا آتا تھا۔ تحقیقات چشتی کے مطابق آپ ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے اور ہر وعظ میں دو اڑھائی سو غیر مسلم مسلمان ہوا کرتے تھے۔ لاہور میں آپ کے اس درس و وعظ کا سلسلہ چھتیس سال تک جاری رہا۔ (ص ۱۶۹)

تحقیقات چشتی کے اس بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس عرصہ میں کتنے لوگوں کو نور اسلام سے سرفراز فرمایا ہو گا۔ لاہور میں اسلام کا یہ پہلا مبلغ بالآخر ۲۴۸ھ میں واصل حق ہو کر بہیں پر پیوند خاک ہوا۔ آپ کی ملاقاتیں اپنے معاصرین

حضرت سید شاہ حسین زنجانی رح اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری سے ہوئی ہونگی  
مگر کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

### حضرت شیخ حسین زنجانی رح

آپ دوسرے بزرگ ہیں جنہوں نے لاہور میں آکر اسلام پھیلانے میں بڑا اہم کردار  
ادا کیا۔ آپ ایران کے مشہور شہر زنجان سے یہاں تشریف لائے۔ آپ نے زنجان میں دینی  
تعلیم حاصل کی اور وہیں حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی رح جو حضرت علی ہجویری کے پیر و مرشد  
تھے کے ولایت ہی پر بیعت کے بعد روحانی فیض بھی حاصل کیا۔ حضرت ابوالفضل بن حسن الختلی رح  
نے آپ کے والد ماجد کو فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سلیم الفطرت اور حق پرست نوجوان اسلام کی  
اشاعت و تبلیغ کر کے دین و دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرے گا۔

حضرت شیخ حسین زنجانی رح اپنے مرشد ہی کے حکم سے تبلیغ اسلام کرتے ہوئے افغانان  
کے رستے لاہور پہنچے اور اس شہر کے مشرقی علاقے میں آبادی سے تقریباً ایک کوس دور  
پرسکون فضا اور ساحل راوی کو پسند فرمایا۔ اب یہ علاقہ آپ کی نسبت کی وجہ سے چاہ میراں کے  
نام سے مشہور ہے۔

آپ کی تشریف آوری کے زمانے میں ہندو دھرم کے پیروکاروں کی کثرت تھی۔  
لاہور گفزد چہالت کی لپیٹ میں تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے  
یہاں کی مروجہ زبان سیکھی۔ آپ ہر روز شہر کے گلی کوچوں میں جاتے اور جب موقع ملتا  
لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کی دعوت دیتے۔ بت پرستوں اور خاص طور پر ان کے اکابرین نے  
آپ کے اس وعظ و نصیحت کو اپنے مذہب کے لئے خطرناک سمجھا۔ چنانچہ وہ آپ کے خلاف  
اوپھے ہتھکنڈے کرنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پیچھے بازاری لونڈے لگا دیتے جو آپ  
پر آوازے کستے۔ مسلسل تین سال ایسی اذیتیں اور نعوبتیں سہنے کے باوجود آپ اپنے  
مشن میں آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے روحانی فیوض اور کرامات کا ہی اکثر تذکرہ کیا  
جاتا ہے۔ ہندوؤں کا پانی سے شفا یاب ہونا اور بہت سی پرانی بیماریوں کا دماغ سے  
ٹلنا اکثر بیان کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب کبھی کوئی  
مشکل پیش آتی تو وہ اس کے حل کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ چنانچہ کانگرہ

کے حملے میں سلطان محمود کی فتح آپ ہی کی دعا کا نتیجہ بتائی جاتی ہے۔ بعض تاریخوں میں آتا ہے کہ سبکتگین کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد لاہور پر ایک ہندو راجہ نے حملہ کیا اور شہر کے صرف ایک علاقے میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ظاہر یہ وہی مسلمان ہیں جو حضرت شاہ اسمعیل بخاری، حضرت شیخ حسین زنجانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ حضرت شیخ حسین زنجانیؒ قریباً ۳۶-۳۷ سال لاہور میں مقیم رہے اور طویل عرصے میں علم و عرفان کے جو دریا بہائے اور توحید کی اشاعت کے لئے جو مساعی کی اس کے نتیجے میں تیرہ دل غیر مسلم ان کے حکم توحید کے نیچے آئے اور ہزار ہا تشنگان حقیقت جام توحید سے مرثا ہوئے، آپ کا مزار چاہ میراں میں ہے۔ میر عبدالعزیز عزیز زنجانیؒ اپنے قصیدہ ”در صفت لاہور“ میں رقمطراز ہیں:

بہ درگاہ شہنشاہ حسین زنجانؒ رو

کہ اسرار الہی در مزار او عیان بینی

مزار کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے۔ ممکن ہے یہاں قدیم مسجد ہو جس میں آپ کا سلسلہ وعظ جاری رہتا ہو۔

آپ بھی اس سلسلے کے ایک اہم بزرگ ہیں۔ البتہ لاہور

میں آپ کی آمد کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ بات مسلم ہے کہ یہ بزرگ سلطان محمود غزنوی یا اس کے بیٹے مسعود غزنوی کے عہد میں لاہور تشریف لائے اور اپنی تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

حضرت علی بن عثمان بھجوری المعروف داتا گنج بخشؒ آپ نے لاہور میں اشاعت اسلام کو مزید آگے بڑھایا

آپ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے پیر بھائی تھے اور مرشد کے حکم سے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے جس دن آپ لاہور داخل ہوئے اسی دن حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کا جنازہ تیار تھا۔ آپ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

لاہور میں ہندوؤں کا زور تھا اور یہاں پر اشاعت اسلام کا کام اب بھی خاصا مشکل تھا۔ انہی حالات کے پیش نظر آپ کو شکایت ہوئی کہ میں اس وقت نابھوں میں گھرا ہوا ہوں آپ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ کشف المحجوب آپ کا زندہ کار نامہ ہے اس کے علاوہ بھی

کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ تبلیغ اسلام کے لئے آپ نے یہاں دیرپا رے راوی کے کنارے موجود مسجد بنائی۔ پھر اس میں علم و روحانیت کے چشمے جاری کئے۔ اشاعت اسلام میں علمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے کشف و کرامات سے بھی کام لیا۔ آپ کے درس و عطا و نصیحت سے بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ہاتھوں مسلمان ہونے والوں میں رائے راجو کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو سلطان مودو و ابن سلطان مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا حاکم تھا۔ قبول اسلام کے بعد آپ نے شیخ ہندی کا خطاب دیا۔ پھر وہ اس نام سے مشہور ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد یہی شیخ ہندی آپ کی سند و ہدایت کا وارث ہوا اور اس کا خاندان سجادہ نشین قرار پایا۔ پھر زندگی بھر حضرت علی ہجویری کے مشن اشاعت اسلام میں گزار دی۔ بے شمار لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور یہ سلسلہ لاہور میں ان کے خاندان میں کئی برسوں تک قائم رہا۔

بقول شہزادہ دارہ شکوہ حضرت علی مخدوم ہجویری کی کوششوں سے لاہور کے ہر محلہ میں حافظان قرآن موجود تھے۔ حضرت مخدوم ہجویری کے معاصرین کے اسماء گرامی اگرچہ تاریخ کے اوراق محفوظ نہیں کر سکے تاہم ایک اندازہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت لاہور علمی اور روحانی طور پر بیدار ہو چکا تھا۔ اور حضرت مخدوم ہجویری کی کشف الطیب منظر عام پر آچکی تھی جن کا مقصد تصوف کے قوانین اور عمل کو منضبط کرنا اور اسے اہل سنت والجماعت کے اعتقادات سے مطابقت پیدا کرنا تھا۔ حضرت دارہ شکوہ کے بعد غوریوں کے زمانہ میں حضرت سید عزیز الدین المعروف پیر کی رح اور سید احمد ہندی نے لاہور میں علم کی مشعلوں کو روشن کیا۔ لاہور کی علمی اور روحانی زندگی میں اضافہ ہوا۔ بلکہ عوام الناس میں قرآن و حدیث کی ضیاؤں کو پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور سرزمین پنجاب کو زندہ رکھا۔

حضرت سید احمد نوختہ ترمذی | آپ اس سلسلے کے ایک اور بزرگ ہیں۔  
آپ شہاب الدین غوری کے زمانے میں ۵۶۰ھ

میں ترکستان کے شہر ترمذ سے لاہور تشریف لائے۔ اور یہاں پر سلسلہ تبلیغ و اشاعت اسلام جاری کیا۔ آپ نے اشاعت اسلام میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ محلہ چیل بی بی میں آپ کا یہ مشن ۶۰۲ھ تک جاری رہا۔

حضرت سید عزیز الدین المعروف پیر مکیؒ آپ کی غذا بھی نہایت قابل قدر

تھ۔ دس علوم اسلامیہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے وعظ سے ہزار ہا لوگ مستفیض ہوئے  
نہی اشاعتِ اسلام کی خدمات میں ۶۱۲ھ میں واصلِ حق ہوئے اور آج آپ کا مزار  
رجحِ فلاح عام رہتا ہے۔

چنگیز خاں کے تصرفِ بلخ کے بعد آپ ۵۹۸ھ میں لاہور تشریف لائے۔  
حضرت پیر مکیؒ آپ کی درویشی سے بہت لوگ آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ  
کی ریاضت کی بنا پر اکثر لوگ آپ کے ارادت مند ہو گئے یہیں پر آپ ۶۴۳ھ میں راہِ  
حق میں جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

اس سلسلے کے اگلے بزرگ حضرت سید اسحاق گاندوئی المعروف پیراں بادشاہؒ  
ہیں، آپ تعلقِ عہد کے اولین بزرگ ہیں۔ آپ نے اشاعتِ اسلام اور قیامِ دین کے  
لئے جو خدمات انجام دیں وہ اس کتاب کا موضوع ہیں۔ ان کے معاصر حضرت سید  
صوفیؒ اس کتاب کا دوسرا موضوع ہیں۔ قارئین کرام ان کی خدمات کا اندازہ اس  
کتاب کے مطالعہ سے کر سکتے ہیں۔

بزرگانِ دین، صوفیاء کرام اور اولیائے عظام کی بھرپور اشاعتِ اسلام  
کے سلسلے میں خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی جملہ سعی کو یکجا  
کر کے کتابی صورت میں مرتب نہیں کیا گیا۔ البتہ ان حضرات پر فرداً فرداً کچھ کام  
ہوئے اور بعض تذکروں میں بھی ان کے حالات کو یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن ایسے کوششوں میں اولاً  
تو ان بزرگوں کی اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں کی جانے والی خدمات کو باقوت نظر انداز  
کر دیا گیا ہے یا پھر دوسرے واقعات میں ضمناً درج کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسی کتب  
کی تدوین میں معروضی انداز کی بجائے مستند و معتبر انداز میں نہیں کیا گیا ہے  
جس میں جذبات کو بڑا دخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کے مورخین یا تذکرہ نگاروں نے ایسی بزرگ  
سنتیوں کے ذکر میں محیر العقول، یا فوق الفطرت واقعات اور عجیب و غریب کہانیاں  
بیان بڑے مزے سے لے کر کیا ہے۔ لیکن بحیثیت ان کی سیرت و کردار اور روحانیت  
کا حقیقہ اُجاگر نہیں کیا جو درحقیقت یہاں پر اشاعتِ اسلام کا باعث بنتی۔ انکی شخصیت

کے یہی پہلو ہیں کے انسانوں کے جالب نظر بنے جس کے نتیجے میں تاریک ذہن روشن اور پتھر دل نرم ہو کر قبولِ اسلام پر راضی ہوئے اور نتیجہ میں کفر و الحاد کی یہ سرزمین بڑی سرعت کے ساتھ آفتابِ اسلام سے روشن ہو گئی۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایسے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی ان مساعی کو یکجا کر کے سائنسی انداز میں پیش کریں تاکہ غیر مسلم موزعوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ صغیر ہیں اسلام شمشیر اور پیسے کے زور سے نہیں پھیلا تھا بلکہ ان بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اور سیرت و کردار کے عملی اظہار کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس میں ایک فرد کو نہیں حکومت کو بھی توجہ دینا ضروری ہے۔

چنانچہ میاں اخلاق احمد صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ اس سلسلے میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کی توانائی کی عمر پاکستان ریویو کی ملازمت کے غیر علمی ماحول کی نذر ہو گئی۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد ان کے سسٹانے کا زمانہ تھا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کے جذباتِ جوان، جذبہِ کامل اور خلوصِ دل کے نتیجے میں وہ گذشتہ چند سالوں میں تذکرہ حضرت ایشاں، تذکرہ حضرت امام سیدنا علی الحقؑ (سیالکوٹی) تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادری رح، تذکرہ حضرت مولانا محمد عبداللہ لدرویؑ (میرپور انارک کٹیمیر) اور دیگر بزرگانِ دین پر اپنے تذکرہ کتابی صورت میں فارلین کی صورت میں نذر کر چکے ہیں۔ جو بفضلِ خداوندی قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

یہ ایسے بزرگانِ دین ہیں جن کے حالاتِ ریت کے ذروں کی طرح مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ میاں صاحب نے با پیادہ اور ذاتی مصارف پر اس منبع سے اکتسابِ فیض کیا۔ جو قلمی یا کتابی، نجی یا قومی ادارے میں کہیں بھی محفوظ تھا۔

ہماری دعا ہے کہ میاں صاحب کا قلم اور زیادہ رواں ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سلسلے کو جاری رکھنے کی مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

زیر نظر کتاب حضرت سید اسحاق گزرونیؒ اور ان کے معاصر حضرت سید صوفیؒ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے ان دونوں بزرگ ہستیوں کا واسطہ تعلق خاندان سے ہے۔ بقول میاں صاحب صوفیائے کرام اور شبلیہ عظام بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلی طرح کے بزرگ وہ ہیں جنہوں نے روحانیت اور علمیت کے اشاعتِ اسلام کی اور جہادِ بالنفس



کیا۔ دوسری قسم ان بزرگوں کی ہے جنہوں نے جہادِ بانیسیف سے اشاعتِ اسلام کی۔ حضرت سید اسحاق گزرونی پہلی قسم کے صوفیاء ہیں سے ہیں اور حضرت سید صوفی دوسری قسم سے۔ جنہوں نے حق کی خاطر جہادِ بانیسیف سے دریغ نہ کیا۔

حضرت سید اسحاق گزرونی بہت بڑے ولی تھے۔ آپ کے کمالات اور اعمالِ ظاہری نے لاہور میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ حضرت سید صوفی بکتاے روزگار اور عارفِ کامل تھے، ریاضت، مجاہدہ، زہد و تقویٰ میں ان کا بڑا مقام ہے، ان کی سیرت و کردار میں بڑی کشش اور جاڑہیت تھی جو غیر مسلموں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ تو نتیجہ قبولِ اسلام ہوا۔

میاں صاحب نے اس کتاب کی ترتیب میں لاہور کی وجہ تسمیہ اور مختلف تاریخی ادوار و اس کی حیثیت کے بیان سے ابتدا کی ہے۔ اگرچہ یہ وہی باتیں ہیں جو اکثر مؤرخین نے لکھی ہیں۔ لیکن میاں صاحب نے ادھر ادھر بکھرے ہوئے ان بیانات کو یکجا کر دیا ہے۔ جہاں تک حضرت سید اسحاق گزرونی اور حضرت سید صوفی کے حالات اور ان کے اشاعتِ اسلام میں خدمات کا تعلق ہے اس سلسلے کی ترتیب میں میاں صاحب نے مقدمہ اور پھر اخذات سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان بزرگوں کی اشاعتِ اسلام کا پہلو پھر بھی نشتر تکمیل رہ گیا ہے۔ اس میں کسی حد تک میاں صاحب کی مجبوری ہے کہ اس پہلو پر کتابوں میں بہت کم حالات ہیں۔ اس سلسلے میں روایات کہیں زیادہ ہیں جو حقیقتِ حال سے کہیں دورے جاسکتی ہیں۔ بہر حال یہ ایک فرد کی کامیابی اور قابلِ تحسین کوشش ہے۔ ہماری دعا ہے کہ میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ اطویل عمر، کثیر وسائل اور جوان ہمت عطا فرمائے۔ تاکہ بزرگانِ دین کی اشاعتی و تبلیغی خدمات کی جو کاٹھی انہوں نے رواں کی ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچے اور ان کامیاب و کامرانی سے ہمکنار ہو۔

وما توفیقی الا باللہ

احقر العباد

انجم رحمانی

اسٹنٹ ڈائریکٹر لاہور عجائب گھر لاہور

## حصہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گفتہ اور گفتہ اللہ بود

مگر چہ از خلقوم عبد اللہ بود

— (مولانا روم ۲)

تاج الاولیاء حضرت سید اسحاق گارونی لاہوری

المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہ

شہر لاہور جس قدر بھی قدیم ہونے کا دعویٰ کرے

بجائے اس کے ابتدائی حالات پر وہ اٹھائیں ہیں

اسلام پورہ تاریخ کے آئینہ ہیں

اور اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پہلے پہل اس شہر کو کس نے آباد کیا تھا۔ اس میں کون  
لوگ آباد اور ان کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ جہاں تک لاہور کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اس  
بارے میں مؤرخین کا اختلاف رائے ہے۔ بعض نے اسے ”لہا ور“، بعض ”لہا نور“ اور  
بعض ”لا پور“ اور کہیں ”لاہور“ لکھا ہے۔ ایک قدیم روایت کے مطابق اس شہر کو راجہ  
رام چند جی کے دو بیٹوں ”لوہ“ اور ”قصو“ نے اپنے نام کی نسبت سے علی الترتیب لاہور  
اور قصو کے شہر آباد کئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق راجہ رام چند کے بیٹے ”لو“ نے  
اس کو آباد کیا تھا۔ اور یہ ”لو پور“ کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر ”لو پور“ سے مراد ایام کے  
ساتھ لاہور کے نام سے زبان زد عام ہو گیا۔ امیر خسرو دہلوی اس شہر کو اپنی کتاب قرآن  
السعدین میں اسے ایک بیان کے سلسلے میں لاہور ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

از حد سامانہ تا لاہور بیچ عمارت نہ مگر در تصور

یہ اصل نام سید اسحاق ہے مگر میراں بادشاہ کے لقب سے آپ مشہور زمانہ ہوئے۔ اصل وطن  
گارون تھا۔ تحقیقات چشتی ص ۱۰۲ میں آپ کا اسم گرامی سید محمد اسحاق میراں بادشاہ بھی لکھا ہوا  
ملتا ہے۔ لہذا دیکھیں حالات ص ۱۰۱

گویا امیر خسرو کے زمانے اٹھویں صدی ہجری کے ابتداء میں شہر لاہور کے نام سے لکھنے پڑھنے میں مستعمل تھا۔ اس قدیم شہر کا اولین ذکر پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق ۳۷۲ھ/۶۹۲ء کی ایک تالیف "حدود العالم" میں ملتا ہے جو اب ایران سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں درج ہے کہ لاہور ملتان کے تابع تھا۔ اس میں بازار اور بت خانے تھے۔ یہاں ہندو بے شمار آباد تھے اور کوئی مسلمان آباد نہیں تھا۔

"ظہور شہر لیسیت بانا تیت بسیار وسطانش از دست امیر ملتانست و اندرو بازار ہا و بت خانہ ہاست و اندرو وزعت چلغوزہ و بادام و چون ہندی بسیار است ہمہ بت پرستند و اندرو ی بیچ مسلمان نیست"

گویا اس بیان سے پہلے کسی مؤرخ یا جغرافیہ دان یا سیاح نے اس شہر کا لاہور کے نام سے ذکر نہیں کیا اور یہی ۱۱۰۶ھ/۱۷۰۰ء سے پہلے یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ مگر اچھی تک اس بات کا انکشاف نہیں ہو سکا کہ لاہور کے کسی حصہ میں چلغوزہ یا بادام اور ہندو ہندی کے درخت تھے اور کس خطہ زمین میں ان میوہ جات کے درختوں نے نشوونما پائی۔ انٹرویٹ، بادام اور چلغوزہ کے درختوں اور ہندوؤں کی بہتات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پنجاب کے لاہور کا نہیں شاید سرحد کے لاہور کا ذکر ہو جو ضلع مردان میں "ہند" کے نزدیک واقع بیان کرتے ہیں۔

سجان سنگھ وھیرا (۱۱۰۶ھ/۱۶۹۵ء) جن کا نام ریو (Rue) اور مسٹر بیورج (MR: BEVERIDE) اپنے مقالات میں سجان رائے بٹالوی بھی لکھتے ہیں اپنی تصنیف خلاصۃ التواریخ میں بیان کرتے ہیں کہ لاہور کو رام چند کے بیٹے "لو" نے بسایا تھا اور یہ کہ جب برباد ہوا سیالکوٹ (سلکوٹ) پنجاب کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

۱۔ حدود العالم (قلمی) ص ۴۴ - حدود العالم مطبوعہ طہران ۱۳۴۰ھ میں ۶۹ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) مفصل مطالعہ کے لئے تاریخ لاہور کنہیا لال ص ۳۲ اور مخزن پنجاب از مصنی غلام سرور لاہوری ص ۲۱ بھی دیکھیں۔

۲۔ خان ولی اللہ خان "دی اور جن آف لاہور" پاکستان ٹائمز لاہور دس سالہ نمبر ۱۶ خلاصۃ التواریخ ص ۶۴

در لاہور حضرت مقدسین برکنار دریای راوی، آبادی آن را بہ لو، خلف راجہ رام چندر نسبت میدهند، در بعض تواریخ لاہور، لہا و نیز جی نویسد، چون از گردش دوار بعد از امتداد دوار در ارکان آبادی آن اینہام روداد قلیلی نشان معموری ماندوار الحکومت این ولایت شہر سیالکوٹ گردید۔

ترجمہ: در بابے راوی کے کنارے لاہور قدیم شہر ہے جسے راجہ رام چندر جی کے بیٹے 'لو' نے بسایا تھا۔ بعض تاریخ میں 'لاہور' اور 'لہا و' بھی لکھا ہے۔ مدتوں بعد از انقلاب زمانہ سے اس کی آبادی گھٹ کر قدرے قلیل رہ گئی تب پنجاب کا دارالسلطنت سیالکوٹ قرار پایا۔

حدیقتہ الاقالم (۱۲۰۲ھ / ۱۸۸۶ء) کے مصنف مرتضیٰ حسین نقیر بیابان سنگھ دھیرا کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

بیان کرتے ہیں "لاہور شہر در ہندوستان بر ساحل دریائے راوی مؤلف خلاصتہ التواریخ جی نویسد کہ ہندوان اُن را بخلف رام چندر کہ لاہور نام داشت نسبت میدهند" ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کئی سال ہندوستان میں مقیم رہا اور محمود غزنوی کے زمانہ میں اس نے ہندوستان کے شہروں کی سیروسیاحت کی اور ان کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔ شہر لاہور کے بارے میں وہ اپنی تصنیف "تاریخ الہند" میں درج کرتے کہ لاہور ایک شہر نہیں بلکہ ایک علاقے کا نام ہے جس کا دارالخلافہ مندھو کور ہے یہ شہر لاہور سے ایک الگ شہر ہے۔ مندھو کورہ بالا بیان کے بارے میں اسے کنگھم نے یہ اخذ کیا کہ مندھو کور محمود پور کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مگر میری نظر میں اسے کنگھم کی یہ تحقیق قرین قیاس نہیں کیونکہ البیرونی جو محمود کا ہم عصر تھا۔ عربی اور فارسی زبان کا فاضل تھا۔ علم ہیئت، ریاضی اور جغرافیہ کا ماہر تھا۔ وہ محمود پور کو مندھو کور لکھتے کچھ عجیب لگتا ہے۔ فرس حال اگر کوئی ایسی صورت بھی ہوتی تو البیرونی جسے فاضل نے اس کی وضاحت اور اس کا ذکر اپنی تصنیفات میں ضرور کیا ہوتا جو عیاں نہیں لگتا۔ فقار ملٹن کا خیال ہے کہ مندھو کور سے مراد "مان کوٹ" ہے جو سیالکوٹ کے نزدیک

حدیقتہ الاقالم پنجاب یونیورسٹی لائبریری (حظی نسخہ برگ ۸) سے دیکھیں، حالات ص ۱۰۲

اور کتاب الہند جلد اول ص ۲۶۶، ۲۶۷ سے A-cunning ham Ancient

La-hore in the Geography of India کے لاہور، زبان انگریزی ص ۱۱۰-۱۱۳

ایک قلعہ ہے مگر خان ولی اللہ خان کے خیال میں نثار مٹن کا یہ قول بھی قابل قبول نہیں۔ خان صاحب نے اس امر کی تصدیق کے لئے بذات خود سفر کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سیالکوٹ کے نزدیک مان کوٹ نام کا کوئی مقام ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ نثار مٹن نے محض قیاس کی بنا پر یہ لکھا ہے۔

ابیر دنی نے اس قلعہ کا طول بلد اور عرض بلد دیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ موجودہ لاہور کے قریب جانب شمال واقع ہے۔ مگر اس مقام کی نشاندہی ابھی تک نہیں ہو سکی سلطان محمود نے لاہور کو ۱۱۳ھ میں اپنے قبضہ میں لیا تھا۔ قدیم ہندو شہر لاہور تباہ و برباد ہوا۔ اور پھر سے اسے از سر نو آباد کیا گیا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف ”قلعہ لاہور“ کی مختصر تاریخ میں بیان کرتے ہیں ”سلطان محمود غزنوی نے ۱۱۳ھ میں فتح لاہور کے بعد از سر نو شہر لاہور کو آباد کیا اور یہیں سے اس نے ایک سنگم بھی فتح کے فوراً بعد جاری کیا جس کے ایک طرف سنسکرت عبارت لکھی اور دوسری طرف عربی عبارت لکھی اور اس نے اس شہر کا نام محمود پور رکھا تھا۔ گویا کہ محمود غزنوی کا لاہور قدیم ہندو شہر لاہور سے مختلف تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے سونے کے سکے امریکہ اور لاہور میں بھی دیکھے گئے ہیں۔ جن پر لاہور کی بجائے محمود پور نام مع سن ۴۱۹ھ درج ہے۔ لاہور کے نزدیک آج بھی ایک بستی آباد ہے جو محمود بوٹی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بستی شمالاً مارباغ کے جنوب مشرق کی طرف تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر اُدچی جگہ پر آباد ہے۔ ممکن ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا یہی محمود پور ہو مگر یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کے علاوہ کسی مؤرخ، جغرافیہ دان یا سیاح نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ باسکل خاموش ہیں۔ کسی زمانے میں اسی علاقہ کو محمود بوٹی کی بجائے ”محمود بھٹی“ یا علاقہ محمود شاہ بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس علاقہ میں ایک بزرگ حضرت محمود شاہ رح مدفون ہیں۔

بلاذری نے صوبہ سرحد پر جلیب بن ابی مغیرہ کی ہم کا ذکر کرتے ہوئے ”الاهوار“ کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بلتان اور کابل کے درمیان واقع ہے۔ یا قوت بحوالہ السروجی المتوفی ۱۲۲۹ھ نے

لہ ولی اللہ ڈی اویڈن آف لاہور، پاکستان ٹائمز لاہور، دس سالہ نمبر ۱۷ ص ۶، البلاذری

(المتوفی ۲۶۹ھ/۸۹۲ھ) بحوالہ ہسٹری آف انڈیا۔ ایلیٹ اینڈ اوکس (لندن) ۱۸۶۷ جلد

اول ص ۱۱۶، یا قوت بحوالہ البلدان بحوالہ ہندوستان میں عربوں کی

حکومتیں ص ۲۲۵

مختلف مقامات کی سیرو سیاحت کی "معجم البلدان" اور "معجم الادواء" اس کی بہت مشہور تصنیفات ہیں "معجم البلدان" میں بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے شہروں میں لاہور بہت بڑا شہر ہے۔

گذشتہ صدی میں لاہور کے حالات پر تین مشہور کتابیں لکھی گئی تھیں تحقیقاً چشتی مولوی نور احمد چشتی جو ۱۸۶۷ء میں طبع ہوئی۔ تاریخ لاہور جو رائے بہادر کنہیا لال نے ۱۸۸۲ء میں شائع کی اور ہسٹری آف لاہور جو خان بہادر سید محمد لطیف نے انگریزی زبان میں لکھی یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں چھپی۔ مگر مولوی نور احمد چشتی کے معاصرین میں سے ایک بزرگ ہستی مفتی تاج الدین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین بھی تھے۔ جنہوں نے ۱۸۶۷ء میں میجر جان کلارک ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ضلع لاہور (قدیم لاہور) کے حالات قلمبند کئے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

"تمام ملک پنجاب میں صدر اور ابدائی بنیاد آبادی سے ہنوز دار الحکومت رہا۔ بموجب بیان برہمنال آبادی اس کی ہزار ہا بلکہ لاکھوں برس سے ہے۔ دسے لوگ بیان کرتے ہیں کہ بنیاد اس کی راجہ "لو" فرزند راجہ رام چندر فی رکھی۔ اصل نام اس کا "لوپور" تھا اہل نواریج لکھتی ہیں کہ رام چندر تین بارہ سو برس پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہوا جس کو ہنود نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کو لاکھوں برس گزرے بہر کیف یہ شہر بہت پرانا اور دارالریاست پنجاب ہے" مزید تحریر کرتے ہیں "جو مصائب اس شہر پر قبل از عہد اہل اسلام وارد ہوئے جیسا تحریر میں نہیں آسکتے۔ چنانچہ چند بار سب طغیانی دریا راوی غرقاب ہوا اور چند بار ویران ہو کر سلیم رہا مگر بعد از ویرانی چہتری اس جگہ پر آبادی کرتے رہے۔ علاوہ اس کے حملات سلاطین مغربی سے ہمیشہ تفرقہ رہا۔ جب کبھی ایرانی یا خراسانی ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے پہلے ہی ملک پامال اور تباہ ہوتا رہا۔ والی لاہور کبھی تابع ایران اور کبھی تابع دہلی رہا۔ اس کے علاوہ کرنل ٹاڈ (۱۸۲۹ء) نے لکھا ہے کہ لاہور کی بنیاد رام کے بیٹے "لو" نے رکھی تھی۔ اور پورانے زمانے میں لاہور کو "لوہ کوٹ" کہتے تھے۔ میوارٹ کے راجے اس لوہ کوٹ کے راجاؤں کی اولاد ہیں جو ۱۲۵۷ء میں نقل مکانی کر کے دوار کاہ آئے تھے۔

۱۔ دیکھیں حالات ص ۱۰۱ آفتاب سڈ لاہور قدیم بھوالہ اور نیشنل کالج میگزین ماہ نومبر ۱۹۳۳ء ص ۶  
 ۲۔ ٹاڈ کرنل اینڈ اینڈ اپٹیکز آف راجستھان (لندن) ۱۹۱۴ء جلد اول ص ۱۷۶ نیز لاہور لطیف ص ۲۰

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ لاہور ایک قدیم شہر ہے جس کی قدرت نے براعظم پاک و ہند کا سرنگ پنجاب کا صدر مقام بنایا ہے اور وادی سندھ کی قدیم تہذیب کے آثار اسی زمین پنجاب کے تھوں میں مدفون ہیں یہ آریہ نسل کے لوگ تھے جن کی تہذیب اور مذہب و معاشرت کی تشکیل پنجاب اور اس کے صدر مقام میں ہوئی۔ یہ خطہ زمین پر رونق تھا۔ لوگ خوش و خرم تھے۔ اور اس جگہ کے رہنے والے معدنیات کے بہترین کاری کرتے تھے۔ تانبہ اور کاشی کو بڑی چابک دستی اور مہارت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

۲۔ گزر رٹھ | مغلیہ دور میں لاہور کو بہت ترقی اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ اکبر بادشاہ نے کچے قلعہ کو شاہی قلعہ پختہ اینٹوں سے بنوایا اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے

پیشتر یہ قلعہ خام یعنی کچا تھا اور ہر عہد میں ضرورت کے مطابق عمارات تعمیر ہوتی رہیں جن کے نشانات تو ملتے ہیں مگر مکانات قائم نہیں ہیں اور ہم تصور اور قیاس ہی کر سکتے ہیں کہ ان مقامات میں شاہی خاندان آباد تھے اور ان کی جائے پناہ تھی۔ اس عہد میں شہر لاہور مختلف حلقوں میں تقسیم ہوا ظاہر ہوتا ہے شہر لاہور کی قدیم آبادی جو فیصل کے اندر واقع تھی۔ نو گزروں پر مشتمل تھی، ان میں گزر رٹھ (رہ فی الاصل) قابل ذکر ہے یہ گزر دیگر گزروں سے بہت بڑا تھا۔ وہلی دروازہ سے سہری محلہ اور دنگ محل کا علاقہ، اندرون اکبری دروازہ کی تمام گلیاں اور کوچے اس میں شامل تھے۔ یہ گزر مرکزی گزر تصور کیا جاتا تھا۔ مسجد وزیر خاں بھی اس گزر کی حدود میں واقع ہے۔ معروف مزار حضرت سید صوف لاہوری، حضرت سید بلند، حضرت سید اسحاق گزرونی، اور حضرت پیر بلخی اس علاقہ میں واقع ہیں۔ اسکے علاوہ سرائے وزیر خاں، حمام وزیر خاں اور پری محل بھی شامل تھے سرائے وزیر خاں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

۳۔ گزر رٹھ کے بارے میں مفتی تاج الدین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین اپنی تصنیف "لاہور قدیم" میں تحریر کرتے ہیں "ایام سلف میں موقع کو توالی کہ اوسط گزر مذکور ہے ایک گانوں جس کو رٹھ بولتی تھی۔ جب وہ وسط شہر میں آگیا وہ بسنی اس نام پر موسوم رہی۔"

۱۔ ایمن اکبری، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۴ء، ص ۱۸۷، ۱۸۸ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) "قلعہ ازخشت سابقہ"۔  
۲۔ لاہور میں اکبر بادشاہ نے اپنے نام پر ایک منڈی تعمیر کروائی جسے اب تک اکبری منڈی کہا جاتا ہے یہ منڈی اندرون وہلی دروازہ میں واقع ہے۔ نیز ایک دروازہ بھی تعمیر کروایا تھا جو اکبری دروازہ کے نام سے معروف ہے۔ پاکستان بننے کے بعد بالکل مسمار کر دیا گیا تھا، یہ دروازہ قدیم دروازے کی بنیادوں پر انگریزوں کے عہد میں مرمت اور اندر سے نو تعمیر ہوا۔

گزر رڑہ میں حضرت سید اسحاق گانزرونیؒ کا مزار اور سید صوف لاہوریؒ کا مزار  
اقدس واقع ہے جو قابل ذکر اور موضوع تحقیق ہیں۔

حضرت سید اسحاق گانزرونیؒ شیخ  
المشاخ، قطب الاولیاء، خلیفہ  
علم، ورع و مجاہدہ میں کامل و اکمل

۳۔ خانوادہ، اسم و انساب، ولادت و وطن  
حضرت سید اسحاق گانزرونی لاہوری قدس سرہ

تھے۔ آپ مستجاب الدعوات، جامع کمالات ظاہری و باطنی، منظر جمال صوری و معنوی حساب  
خوارق و کرامات تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، علم و فضیلت میں شہرہ آفاق تھے۔  
آپ نے اسلام کی بے انتہا خدمات انجام دیں اور اپنی روحانی اور علمی تعلیمات لوگوں تک  
پہنچائی، اور انہی بزرگان دین کے قدوم میمنت لزوم کے طفیل اس سرزمین میں اسلام کو  
فساد حاصل ہوا اور یہاں کے لوگ کفر و الحاد سے تائب ہو کر سلک وحدت میں  
پہرے گئے اور فخر مذلت سے نکال کر ترقی کی منازل تک پہنچا دیا گیا۔

آپ کا اسم گرامی سید اسحاق ہے مگر فیوض و برکات، کشف و کرامات کے  
سبب عوام میں حضرت "میراں بادشاہ" کے لقب سے آپ معروف ہیں۔ آپ  
سادات عظام صحیح النسب گانزرون سے ہیں اور حسینی سید ہیں۔ آپ کا سلسلہ  
نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ اپنے  
زمانہ کے قطب الاقطاب اور شیخ الشیوخ تسلیم کیے جاتے تھے۔

آپ کا آبائی وطن شہر گانزرون تھا۔ گانزرون فارس کے صوبہ میں خلیج فارس کے  
کنارے کی جانب اور شیراز سے جو صوبہ فارس کا دار الخلافہ ہے،

جانب غرب واقع ہے۔ یہ شیراز سے تین دن کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہ فاصلہ ۱۸  
فرسخ ہے۔ یہ شاری کا قول ہے کہ گانزرون کثیر آبادی والا شہر ہے اور ریشم کے کپڑوں،  
کوٹھیوں، باغات اور نخلستان سے عمارت ہے جو اس کے دائیں سے بائیں تک  
پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک بہترین تجارتی مرکز ہے اور ایک بلند ٹیلے پر بہت بڑی جامع  
مسجد ہے جبکہ بازار اور تاجروں کی کوٹھیاں و مکانات نیچے ہیں سلطان عضد الملک  
بن بویہ نے یہاں پر ایک محل تعمیر کرایا تھا جس میں ہر روز سلطان کے لئے دس ہزار

۱۷۴ دیکھیں نقشہ تقیبات سیاسی ایران ص ۲۲۸ نقوش لاہور نمبر عاشیہ ص ۱۷۴



درہم جمع ہوتے تھے۔ یہاں اگر لمبی چوڑی نہریں نہیں ہیں بلکہ کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ گازرون میں ایک خاص قسم کی کھجور پائی جاتی ہے جو جیلان کہلاتی ہے اور مخالف میں بھی جاتی ہے الاصطخری کا قول ہے کہ گازرون اور نوبندجان شاہ پور کے سب بڑے شہر ہیں مگر گازرون نوبندجان سے عمارات کی نختگی کو مٹیوں کی کثرت اور مٹی کی خوبی کے لحاظ سے افضل و برتر ہے۔ مارے فارس میں آب و ہوا اور زمین کے لحاظ سے نظیر ہے۔ پانی کنوؤں سے حاصل ہوتا ہے۔ شہر مضبوط اور وسیع ہے۔ پیل کثرت سے پائے جاتے ہیں اور شاہ پور کے علاقے میں تمام شہروں سے زیادہ زرخیز ہے۔ فسا شہر سے فرسخ پر واقع ہے۔ یہ شہر ریدون اور خوشحال ہونے کے علاوہ علم و فضل کا بھی مرکز تھا۔ اس شہر سے اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت سلج منسوب کی جاتی ہے۔ ختملاً احمد بن منصور بن احمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن جعفر ابوالعباس الکاثری رونی الشافعی جو ۵۳۹ھ میں بغداد آئے اور وہاں سے علم حاصل کر کے وطن واپس گئے۔ ابو محمد عبداللہ بن علی المصغری نے ۵۸۷ھ میں شیراز میں وفات پائی اور ابو الحسن بن ابی علی الکاثری رونی الصوفی نے ۴۵۴ھ میں رحلت فرمائی۔

صوبہ فارس جو آج کل استان فارس کہلاتا ہے۔ ایران کے جنوبی منطقہ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۴۴۹،۸۰۰ کیلومیٹر مربع ہے خوزستان اصفہان اور کرمان کے مابین واقع ہے اور جنوب سے خلیج فارس سے جا ملتا ہے۔ اس استان کی آبادی ۱،۴۹،۹۱۵ نفر ہے، یہاں کا معروف پہاڑ کوہ مادیان ہے جو ۴۳۲۰ میٹر بلند ہے۔ سب سے مشہور دریاچہ "دریاچہ پریشان" ہے۔ یہ پچھلے پانی کا دریاچہ ہے۔ یہ دریاچہ دریاچہ، نختگان میں جاگرتا ہے۔ "دریاچہ پریشان" نامور تنہا دریاچہ اب شیریں ایران است کہ درنزدیکی گازرون واقع شدہ و ماہی فراوانی و لذت دریاچہ پریشان شیراز اور گازرون کے درمیان واقع اور گازرون خلیج فارس اور شیراز کے مابین واقع ہے۔

اس چہ آباد شہر کا بے لوث، مخلص اور عظیم مبلغ کب اور کن حالات کی بنا پر برصغیر میں

۱۔ یاقوت الحموی: معجم البلدان ص ۲۲۹/۲ ص ۲۳۰/۱ جلد ۲ طبع بیروت ۱۹۵۷ء  
۲۔ فرہنگ دانش و ہنر ص ۸۶۵ چاپ سازمان انتشارات اشرفی چاپ دوم تہران ۱۳۲۶ شمسی

تشریف لائے اور کہاں تعلیم حاصل کی آپ کے استاد گرامی کا اسم مبارک کیا تھا۔ آپکی تاریخ ولادت کیا تھی۔ اس بارے سوارخ نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ سید محمد لطیف تاریخ لاہور میں بیان کرتے ہیں کہ آپ تعلق بادشاہوں کے زمانہ میں تشریف لائے۔ ان کے علاوہ کسی اور مورخ اور تذکرہ نگار نے نہیں لکھا۔ بہر حال ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا کہ آپ نے ابتدائے تعلیم سے انتہائے علم تک عالم سے حقیق بننے تک اور تحقیق سے تصوف تک کے فاصلے کب اور کیسے طے کئے مگر آپ ایک قدیم، عظیم المرتبت اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی مشہور تصنیف خزینۃ الاصفیاء جس پر سبھی مورخ اور تذکرہ نویس اعتماد کرتے ہیں اور مشہور مشرق پر وفیلر اے۔ جے آر بری نے اس کتاب کی تعریف میں یہاں تک لکھا ہے کہ یہ صوفیائے کرام کا پہلا تذکرہ ہے جو سائنٹیفک طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ اس میں تحریر کرتے ہیں ”اول در شہر گازرون اقامت داشت بعد ازاں باشارت غیبی در شہر لاہور آمدند و مدتے مدید بہدایت خلق معروف ماند“ (ترجمہ) ”اصل وطن شہر گازرون تھا، پھر اشارہ غیبی سے عازم لاہور ہوئے بہت عرصہ خلقت کی ہدایت میں مصروف رہے“ اس کے علاوہ ایک تذکرہ نویس نعل بیگ جو اکبر بادشاہ کے فرزند سلطان مراد کا بخشی تھا اور دیوانی امور میں بہت ماہر تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھا۔ صوفیاء کرام کا ایک مسبووظ تذکرہ ثمرات القدس من شجرات الانس کے نام سے لکھا ہے جس کا ایک قلمی نسخہ نیشنل مینوزیم آف پاکستان (کراچی) میں محفوظ ہے اس میں رقم طراز ہیں۔

”سید اسحاق گازرونی قدس سرہ وے گازرونی الاصل است از اں جا بہد افتاد و در لاہور طرح اقامت انداخت می شیخ المشائخ و تطب الاقطاب وقت خویش بودہ و از سادات صحیح النسب گازرونت“

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کا اصل وطن شہر گازرون تھا۔ اللہ کے حکم سے تبلیغی مشن لے کر سرزمین ہندوستان میں داخل ہوئے اور لاہور جیسے اہم مقام

پر سکونت اختیار کی، اور اپنے علم و فضل کے چمنوں سے اس سرزمین کو سیراب کیا اور آپ  
طویل عرصہ تک علم دینیہ کی اشاعت میں مصروف رہے مگر کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے آج تک  
آپ کے سن ولادت اور نسب کے بارے میں کوئی نشان دہی نہیں کی۔

۴۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں کا اشتباہ  
وغیر محقق روایات۔

روایات :- (ا) خزینۃ الاصفیاء  
میں اخبار الاخبار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ  
سید صفی الدین جو شہر اوتچ (دریاست)

بہاول پور کے بانی تھے سید اسحاق گارونی کے پیشتر اوسے اور مرید و خلیفہ تھے خزینۃ الاصفیاء  
کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

”در زج اخبار الاخبار است کہ چون سید ابوالاسحاق گارونی رح لاہوری بعد عطاء نعمت  
و خرقہ خلافت بسید صفی الدین ہمیشہ زادہ خود را از نزد خود رخصت فرمودہ حکم داد کہ بر اثنین  
سوار شود بر جانب اُن شہر برود تو نیز برو بہ جائیکہ بنشیند مقام سازد و قیام کن۔ چنانچہ سید  
صفی الدین ہم چنان عمل آورد چون بر زمین متصلہ آبادی سابقہ مقام اُوتچ رسیدہ  
شتر بنشست پس ہماں جا بہ حکم پیر دستگیر خود توطن فرمودہ و آبادانی علیحدہ آباد ساخت  
ترجیحاً۔ اخبار الاخبار میں درج ہے کہ جب سید ابوالاسحاق گارونی رح لاہوری نے  
نعمت و خرقہ خلافت اپنے بھائی سید صفی الدین گارونی رح کو عطا فرمانے کے بعد اپنے پاس  
سے رخصت کیا تو حکم دیا کہ اُونٹ پر سوار ہو کر جدھر یہ اُونٹ نے جائے اسی طرف چلتے جاؤ۔  
اور جہاں جا کہ یہ بیٹھ جائے اس مقام پر قیام کرو چنانچہ سید صفی الدین رح آپ کا حکم بجالائے  
جب اُونٹ اوتچ کی پرانی آبادی کے قریب جا کہ بیٹھا تو حضرت سید صفی الدین گارونی رح  
نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے اسی جگہ پر قیام کیا اور ایک علیحدہ بستی بسائی۔“

(ب) حامد بن فضل اللہ جمالی (متوفی ۹۴۳ھ) اپنی تصنیف سیر العارفین میں بیان  
کرتے ہیں ”شیخ نور الدین ملک یار پر ان رح ایک بڑے بزرگ تھے۔ ان کی پیدائش لاہور میں ہوئی“

۱۔ دیکھیں حالات اوتچ ص ۱۰۳ ۲۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۱۷ جلد اول

۳۔ اخبار الاخبار ص ۲۵ / ۲۳۵۔ بعض مخدوم شیخ عبد القادر رح۔

اور وہ حضرت شیخ اعز الدین دانیال غنیمی کے مرید تھے اور حضرت دانیال غنیمی حضرت شیخ علی  
 حضرت کے مرید تھے۔ اور وہ حضرت شیخ ابواسحاق گزرونی کے مرید تھے چنانچہ یہ درویش (شیخ  
 جمالی) ان تینوں بزرگوں کی زیارت کے لئے گیا ہے اور ان کے آستانوں کی جنیں بنائی کی ہے۔  
 حضرت نور الدین ملک یار پر ان سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شہر دہلی میں آئے تھے۔  
 انہوں نے دریائے جمنائے کنارے ابابکر طوسی رحمہ اللہ کے تکیے کے نزدیک مکان بنایا تھا۔  
 آپ ابواسحاقیوں کی رسم کے مطابق زرد خرقہ پہنا کرتے تھے اور ان کے لباس پر زرد  
 نقوش ہوتے تھے ان کے ملک میں ایک قسم کی زرد رنگ کی روئی ہوتی ہے اس سے لباس  
 بناتے ہیں۔ حضرت سلطان المشرق نظام الملک والدین رحمہ اللہ کی وفات کے بعد دہلی آگئے،  
 (ج) مفتی غلام سرور لاہوری ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”سید صفی الدین بانی مقام اوجہ  
 و ہمیشہ زادہ سید گزرونی میراں بادشاہ لاہوری کہ اندرون مسجد وزیر خاں مغل آسودہ است“  
 (ترجمہ) ”سید صفی الدین بواج کے بانی اور سید اسحاق گزرونی میراں بادشاہ لاہوری  
 کے بھانجے ہیں۔ سید اسحاق گزرونی مغل وزیروں کی مسجد میں مدفون ہیں۔“

(د) نوائد الفواد میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے جس میں حضرت خواجہ نظام الدین  
 دہلوی نے سید صفی الدین گزرونی رحمہ اللہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق جوگی سے مقلد کا واقعہ  
 بیان فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اوجہ میں ایک جوگی شیخ صفی الدین گزرونی کی خدمت  
 میں آیا اور شیخ سے کہا اگر تم سچے ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ۔ اس پر آپ نے فرمایا دعویٰ آپ نے کیا ہے۔ آپ  
 ہی دلیل کے طور پر کوئی کرامت پیش کریں۔ اس پر وہ جوگی زمین سے ہوا میں سیدھا اوپر  
 کو اڑا اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور کہا کہ تم بھی کوئی منظر ہرہ کرامت کرو۔  
 شیخ نے بارگاہ حق میں التجا کی کہ پروردگار! تو نے بیگانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے،

۱۔ سیر العارلین میں شجرہ طریقت غیر صحیح ہے۔ درست اس طرح ہے۔ ملک یار پران۔ مرید شیخ اعز الدین  
 دانیال۔ مرید قطب الدین دانیال۔ مرید شمس الدین محمد ابودلف دانیال۔ مرید شیخ محمد اسماعیل دانیال۔ مرید  
 شیخ الامین عبدالسلام منجی۔ مرید شیخ احمد بادرزدی۔ مرید شیخ خضر۔ مرید شیخ رکن الدین دانیال، مرید شیخ جمال الدین  
 احمد خطیب۔ مرید خطیب تاج الدین۔ مرید خطیب القام عبدالکیم۔ مرید شیخ ابواسحاق رحمہ اللہ بن شہر بادر گزرونی  
 (عرائق الحقائق ص ۱۴۳ ج ۲)

۲۔ خزینۃ الصغیاء ص ۱۱۷ جلد اول ۱۱۷۔ بحوالہ خطہ پاک اوجہ مسعود حسن شہاب

مجھے بھی کچھ عنت فرمائی اس کے بعد شیخ اپنی جگہ سے قبلہ رخ اڑے پھر مشرق کی جانب پھر شمال کی سمت پھر جنوب کی طرف، جوگی نے جب یہ منظر دیکھا تو شیخ کی عظمت کا قائل ہو گیا اور کہا کہ میں تو صرف سیدھا اوپر اڑ سکتا تھا اور آپ تو ہر سمت پرواز کر سکتے ہیں۔ واقعی آپ کے ہیں اور میں جھوٹا ہوں۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اولیاء ہلوی نے ۲۵ ماہ میں وفات پائی اور یہ واقعہ ان کی وفات سے قبل کا تھا۔

(۵) علامہ ابوالحسن فرید آبادی اپنی تصنیف ”جو اہر غیبی“ میں اولیائے کرام کے چودہ خاندانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں خاندانہ گاڈرونیوں کے متعلق لکھتے ہیں ”یازدہم“ خاندانہ گاڈرونیوں میں پیوند خواجہ ابوالسحاق گاڈرونی مرید و خلیفہ خواجہ عبداللہ حنیف است و او مرید محمد روم مرید خواجہ جنسیدہ، گاڈرونیوں در میان خلایق مشغول باشند و اسماء اعظم و دعائے مائت القدرت بسیار خوانند“

(۶) اس کے علاوہ سطاتف الاثرنی میں مرقوم ہے گاڈرونیوں کا سلسلہ حضرت جنید بغدادی تک سلطان ابوالسحاق گاڈرونی کے واسطے سے پہنچتا ہے۔ شیخ ابوالسحاق مرید گاڈرونی کے امیر تھے۔ مگر سلطنت ترک کر کے شیخ عبداللہ حنیف کے مرید بنے جو خواجہ محمد روم کے مرید تھے اور خواجہ محمد روم مرید حضرت سید الطائفہ کے مرید تھے آپ نے ذی قعد کے چہینے میں ۲۲۶ھ میں وفات پائی آپ اکابر مشائخ اور قطب الاولیاء تھے۔ سطاتف الاثرنی میں مزید لکھا ہے ”شیخ ابوالسحاق گاڈرونی نے ایک بار حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ توحید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو خیال تیرے دل میں گزرے اللہ تعالیٰ اس سے خلافت ہے یعنی اللہ کی ذات تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی، توحید یہ ہے کہ شرک و شک و انکار صفات سے پاک ہو جائے۔“

(۷) مولوی نور احمد چشتی تحقیقات چشتی میں بیان کرتے ہیں ”حضرت سید اسحاق گاڈرونی (مرید) بیعت بخدمت عبدالعزیز گاڈرونی مرید جنیدی کے تھے۔ بعد عطا سے فرقہ خلافت حضرت کو حکم روانگی لاہور کا ہوا،۔“

**روایات کی تحقیق** | حضرت سید صفی الدین گزرونی رحمہ سترہ سال کی عمر میں برصغیر میں وارد ہوئے اور علاقہ اوتج جس کا قدیم نام "بھاطیہ" بھی

تھا میں رہائش اختیار کی، آپ نے ایک علمی درس گاہ قائم کی جس میں صرف طلبہ کی تعداد ۵۰۰ سے زائد تھی۔ اوتج میں آپ کا زمانہ ۳۷۰ھ بیان کیا جاتا ہے یہ راجہ ونگ پال کا زمانہ تھا۔ سب سے پہلے آپ نے اوتج کی بنیاد رکھی اور بانی "اوتج" کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ بیان کرتے ہیں کہ علاقہ اوتج کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اوتج موغلہ جس کو مغلوں نے آباد کیا۔ اوتج بخاری اس خطہ زمین کو شیخ جمال الدین شیخ نجمندی جو سادات بخارا سے نسبت رکھتے تھے، ۷۰۰ھ میں آباد کیا اور اوتج گیلانی سید صفی الدین گزرونی نے سن ۳۷۰ھ میں آباد کیا۔ اور عمارتیں بھی بنوائیں۔ آپ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گزرونی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اور اپنے شیخ کے ارشاد پر آپ نے اُس سرزمین میں سکونت اختیار فرمائی اور رشد و ہدایت کے نور کو عام کیا۔ آپ نے سن ۳۹۸ھ / ۱۰۰۶ء میں وفات پائی۔

آپ کے تفصیلی حالات بہت کم یاب ہیں۔ اخبار الاخیار مولفہ عبدالحق محدث دہلوی اور فوائد العواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین دہلوی) میں آپ کا ضمناً ذکر آتا ہے۔ مگر زمانہ کا تعین نہ اخبار الاخیار میں کیا گیا ہے نہ ہی فوائد العواد میں ملتا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت گزرتی ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ کے ملفوظات سے ایک بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت سید جلال سرخ بخاری کے اوتج تشریف لانے سے قبل یہاں دو خانقاہیں پہلے سے موجود تھیں ایک گزرونیوں کی اور دوسری جمالیوں کی، حضرت سید جلال سرخ بخاری ۵۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اوتج میں آپ کی آمد ۱۲۴۴ء بتائی جاتی ہے۔ سن ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء اوتج میں وفات پائی۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت گزرتی کے دادا تھے۔ ان بیانات سے خزینۃ الاصفیاء کی مذکورہ روایت غلط ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صفی الدین گزرونی رحمہ، حضرت سید اسحاق گزرونی لاہوری کے بھانجے اور مرید و خلیفہ تھے اور اس بارے اخبار الاخیار کا درج حوالہ بھی غیر صحیح ہے۔ حضرت سید صفی الدین گزرونی رحمہ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گزرونی کے

مرید و خلیفہ اور خواہر زادے تھے۔ آپ مرتبہ کے لحاظ سے "المرشد" مشہور تھے سلسلہ  
المرشدیہ یا گزرونیہ آپ سے منسوب ہے۔ اور اس کے علاوہ آپ طریقہ اولیہ سے  
بھی منسلک تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی  
المتوفی ۲۹۸ھ تک منہا ہوتا ہے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گزرونی ر۔ مرید ابو علی حسین بن محمد الفیروز آبادی الاکار  
مرید ابو عبد اللہ محمد بن الخفیف الشیرازی ر۔ مرید شیخ ابو محمد بن احمد روم ر۔ مرید سید الطائف  
ابوالقاسم جنید بغدادی ر۔

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گزرونی ر۔ طریقہ اولیہ میں حضرت شیخ حسین الاکار  
سے فیضیاب ہوئے اور طریقہ بیعت و خلافت و تربیت میں حضرت ابو عبد اللہ الخفیف  
سے اخذ فیض ہوئے۔

آپ کے کاشغورہ طریقہ اولیہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے :- شیخ ابواسحاق گزرونی ر۔  
مرید حضرت شیخ الاکار ر، مرید حضرت ابوتراب نخشی ر، مرید حضرت ابو علی شفیق بلخی ر،  
مرید حضرت ابراہیم اوہم ر، مرید حضرت ابو موسیٰ زید راغی ر، حبیب بن مسلم، آپ  
حضرت اولیٰ قرنی ر۔ اور سلمان فارسی اور دونوں سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت اولیٰ  
قرنی ر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اخذ فیض ہوئے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حکم حضرت  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی نے براہ راست  
حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا۔ حضرت شیخ ابواسحاق شہریار کو حدیث  
میں بھی مستند اور ثقہ مانا جاتا ہے آپ گزرون، شیراز، بصرہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ  
کے بیت محمدین کی خدمت میں پہنچے اور ان سے حدیث میں استفادہ کیا۔ آپ نے  
۶۹ سال عمر پائی اور ماہ ذی قعدہ ۲۲۶ھ میں رحلت فرمائی۔ صاحب تاریخ گزیدہ نے  
آپ کا سن وفات ۲۲۲ھ لکھا ہے۔ شیخ ابواسحاق ر۔ در شہر ذی قعدہ سال پہا ر صد و

۱۔ نجم الدین کبریٰ ص ۷۳

۲۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۲۵ طرائق الحقایق ص ۲۹۶ - ح ۲ و نجات الانس ص ۱۷۶

۳۔ تحقیق در احوال و آثار نجم الدین کبریٰ اولیٰ تحقیق و تالیف منوچہر حسنی طبع ایران ۱۳۲۶ھ

۴۔ سفینۃ الاولیاء ص ۲۰۶ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۲۶ - ۲۲۷ - نجات الانس ص ۱۷۶

بت و شش ۲۹ ہمارے حال نمود و بقول خدا اللہ مستوفی (صاحب تاریخ گزیدہ) چار صد  
و بت ۲۲ چار بعد قائم خلیفہ۔ و شصت و نہ سال عمر کے ہوئے۔  
خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ آپ حضرت شیخ مخدوم علی بھویری کے ہم عصر تھے مگر  
طلاقات نہیں ہوئی۔

گویند کہ شیخ ابواسحاق شہر یار گازرونے معاصر شیخ مخدوم علی بھویری صاحب  
کشف المحجوب است لیکن باہم ہر دو بزرگوار طلاقات واقع نشدہ۔  
صاحب نفحات الانس بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت علی بن عثمان  
بھویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری اپنی تالیف کشف المحجوب میں مشائخ فارس کا ذکر  
کرتے ہوئے آپ کے بارے لکھتے ہیں کہ

”شیخ مرشد ابوالحسن بن شہر یار از محتشان قوم بود و سیاسی تمام داشت“

آپ اپنے زمانہ کے نہایت سر بہ آوردہ اور اکابر علماء و مشائخ تھے آپ داتا گنج بخش لاہوری کے  
ہم عصر تھے اور لاہور میں آپ کی آمد سے پہلے یا قریباً آپ کی آمد کے ساتھ ہی فوت ہو گئے۔ آپ  
سلسلہ سہروردیہ کی ایک مستقل شاخ کے پیشوا اور پیرو مرشد ہیں جو سلسلہ گازرونیاں یا  
ابوالسحقیان کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری المعروف بہ میراں بازشاہ نے بحوالہ تحفۃ الاولیاء صلیب  
۶۸۶ھ میں وفات پائی آپ کو رٹہ متصل دہلی دروازہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے پیرو مرشد  
حضرت شیخ اوحمد الدین اوحمدی اصفہانی نے ۷۳۷ھ میں رحلت فرمائی اور تبریز میں مقام  
مراغہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے پیرو مرشد کا نام شیخ اوحمد الدین اوحمد حامد الکرمانی نے ۶۲۰ھ  
میں وفات پائی۔ منتخب التواریخ میں شیخ اوحمد الدین اوحمد حامد الکرمانی رح کاسن وفات ۶۳۵ھ  
بیان کیا جاتا ہے اور شہر بغداد میں مدفون ہیں یہ زمانہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور بن ظاہر ملقب  
مستنصر باللہ کا تھا۔ آپ کی شہرہ آفاق تنوی مصباح الارواح میں آپ کاسن وفات ۶۹۷ھ

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۷ ۲۔ کشف المحجوب نسخہ مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے ص ۱۷۹،

کشف المحجوب نسخہ ژوکوفسکی طبع ایران ص ۲۱۵،

۳۔ انوار الاصفیاء ص ۲۲۲



تقریباً ہے۔ یہ تاریخ وفات ۶۹۶ھ زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہے۔ آپ شیخ رکن الدین سجاسی رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ رکن الدین سجاسی رح نے شیخ قطب الدین ابورشد بھسروی سے فرقہ خلافت پایا اور آپ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا سن وفات ۵۶۳ھ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح کا سلسلہ طریقت اوحدیہ سجاسیہ الجہریہ اور سہروردیہ ہے پھر چند واسطوں سے حضرت ابوالفتح اسم جنید بغدادی رح (المتوفی ۲۹۸ھ) تک پہنچتا ہے جو سلسلہ جنیدیہ کے نام سے معروف ہے۔

بعض محققین کی رائے میں حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی کے بانی ہیں اور ان ہی سے معروف سلسلہ سہروردیہ کا جبراع ہوا اور آپ ہی کی ذات سے یہ سلسلہ طریقت منسوب ہے۔

طرائق الحقایق کا مصنف لکھتا ہے "سلسلہ سہروردیہ کہ منسوب شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی است"

محققین کے دوسرے گروہ کی رائے میں یہ سلسلہ سہروردیہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ سے آغاز ہوا اور آپ اس کے موجد کہلاتے ہیں۔ صاحب روذات الجنان تحریر کرتے ہیں "دیگر سہروردیہ کہ سرخپا ایشاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی است کہ پسر بڑا اور و مرید شیخ ابوالنجیب است"

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر کے برادر زادے، مرید اور خلیفہ تھے اور آپ ہی سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی درگاہ کے جانشین ہوئے اور آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ بعض محققین نے آپ کو جنید ثانی اور عوث اعظم ثانی بھی لکھا ہے۔ اور سلسلہ سہروردیہ

۱۔ قلمی نسخہ بودلین Bodlaian لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و

فارسیہ ج ۲ کے ص ۱۶۲۱، شمارہ ۱۲۶۴، ۳۸۴، ۳۸۶ مندرج ہے۔

۲۔ سید معصوم علی شاہ شیرازی۔ طرائق الحقایق طبع تہران (ایران) ص ۳۰۶ - ج ۲

۳۔ روذات الجنان طبع تہران (ایران) ص ۲۳۷ - ج ۲

کے اصل بانی حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر بیان کرتے ہیں۔  
 حضرت سید اسحاق گائڑوئی لاہوری اسی سلسلہ کی منتقل اور اہم شاخوں سے  
 ایک شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو سلسلہ اوحدیہ اور ابھریہ کے نام سے معروف ہے۔ آپ  
 کا سلسلہ بیعت اوحدیہ بجا سیہ ابھریہ سہروردیہ اور جہندیہ ہے مگر عام طور پر آپ حضرت  
 سید اسحاق گائڑوئی سہروردی کے نام سے مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص محمد عمر سہروردی ادران کے پیر و مرشد  
 حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی ادران کے رہنما حضرت شیخ وجیہ الدین سہروردی  
 قصبہ سہروردی عراقی عجم کے اندر ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ہے کے رہنے والے تھے اس  
 سلسلہ کو فروغ دیا اور لاکھوں انسان اس سلسلہ بر عالیہ سے اخذ فیض ہوئے۔

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں بلا تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گائڑوئی لاہوری اور  
 حضرت بابا اسحاق ابراہیم بن شہریار گائڑوئی دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ دونوں ہم نام اور ایک ہی  
 شہر کے رہنے والے تھے۔ اول الذکر بزرگ آٹھویں صدی ہجری کے ہیں اور مورخ الذکر بزرگ چوتھی  
 صدی کے ہیں۔ ان کے درمیان کم و بیش چار سو سال کا فرق ہے۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں کو  
 اسی وطنی مشابہت کے باعث اشتباہ ہوا ہے اور زبردست دھوکہ کھایا ہے۔ پھر بغیر  
 تحقیق کے بڑے بزرگ کی روایات دوسرے کے حالات میں درج کر دی ہیں جو اختلافات کا  
 باعث بن گئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت سید صفی الدین گائڑوئی حضرت سید اسحاق گائڑوئی لاہوری کے  
 مرید و خلیفہ اور خواہر زادہ نہیں ہو سکتے۔ آپ شیخ ابوالاسحاق ابراہیم بن شہریار گائڑوئی کے  
 مرید و خلیفہ اور خواہر زادہ ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت بھی بالکل الگ ہے۔ اور وہ "المرشد" کے  
 نام سے معروف ہے۔

حضرت سید اسحاق گائڑوئی لاہوری رحمہم  
 صوفی اور عظیم مبلغ تھے۔ آپ ایک طویل  
 عرصہ تک لاہور میں رشد و ہدایت میں  
 مصروف رہے۔ لاہور کے جلیل القدر

۵۔ درس و تدریس اور اخلاق و عادات  
 حضرت سید اسحاق گائڑوئی لاہوری رحمہم

علماء فضلاء اور سادات کی بڑی تعداد آپ کے حلقہ درس و ارادت میں شامل تھی اور ظاہری و باطنی امور میں ان سے فیضیاب ہوئی۔ معنی غلام سرور بحوالہ تحفۃ المؤمنین بیان کرتے ہیں کہ آپ نے طویل عمر پائی۔ اور جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہدایت یاب ہوتا۔ ”صاحب رسالہ تحفۃ المؤمنین می فرماید کہ سید اسحاق گازی لاهوری نے طویل یافت و ہر شخص کہ خدمت دے حاضر شدے ہدایت رسیدے“

بیان کرتے ہیں کہ جس مقام پر آپ نے سکونت اختیار کی تھی وہ مقام پُر رونق اور مرکزی علمی، ادینی و روحانی حیثیت رکھتا تھا یہ ہی مقام دورِ مغلیہ میں گذر مرادہ کے نام سے معروف ہوا اس جگہ کا نام محل بیگ بخشی کے تذکرہ ثمرات القذس میں واضح طور پر ملتا ہے۔

علیم الدین انصاری (نواب وزیر خاں) دین پرورد حاکم تھا۔ علماء اور فضلاء کا بہت عقیدت مند تھا۔ اپنا وقت بزرگوں کی صحبت میں بسر کرتا تھا۔ شیخ فرید بھکری اپنی تالیف ذخیرۃ الخواتین میں لکھتے ہیں ”عمر عزیز را بہ سادگی بسر برد و مرد دین دار و دیانت دار دولت خماہ در گاہ جہاں پناہ بود۔ صدق اخلاص و درست اعتقاد با حضرت خلیفہ الہی بمنزلے داشت کہ گذشت“ مزید قیصرانہ ہیں کہ عبادت حق خدمتگاری حضرت خلیفہ مطلق را عین عبادت می انگاشت۔“

بادشاہ اور امراء کا بہت احترام کرتا تھا۔ بہت مخلص خدمت گزار اور پیر پرست بھی تھا۔ حضرت ایشاں رحمہ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ آپ کی صوفیانہ مجالس میں شریک ہو کر علمی اور روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوا پھر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ایشاں رحمہ کے حرارہ پر آپ نے نواب سعد اللہ خاں کی معیت میں مقبرہ و گنبد تعمیر کروایا پھر ان کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ ان کی علمی اور دینی مجالس سے متاثر ہو کر عالی شان مسجد کی بنیاد اس مقام پر رکھی جس جگہ

۱۔ رسالہ تحفۃ المؤمنین کس نے لکھا ہے اور کس سن میں تصنیف ہوا۔ کس دور کے بزرگوں کے حالات و واقعات بیان ہیں، کے متعلق کوئی تصدیق نہیں ہوگی۔ تاکہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ اشتباہ ہوتا ہے کہ تحفۃ المؤمنین کی بجائے ”تحفۃ الواصلین“ ہوگا۔ جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ ۲ ص ۵۱ - ۵۲ (قلمی نسخہ) ۳ ص ۱۴ جلد سوم

۴ دیکھیں حالات ص ۱۰۶

حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری کا دینی اور تبلیغی مقام تھا۔ پھر یہ مقام مسجد نواب وزیر خاں کے نام سے معروف ہوا۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف ”مسجد وزیر خاں لاہور میں تحریر کرتے ہیں ”نواب وزیر خاں نے لاہور کی اس مرکزی کیفیت کو نہایت اہم تصور کر کے یہاں یہ عظیم الشان مسجد بطور ایک مکمل جامع اسلامیہ کو قدیم علمی ادارہ شیخ اسحاق گازرونی پر تعمیر کیا۔ مگر ضوس آج اس مسجد کے تمام گروہوں کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ جب وزیر خاں نے اپنی مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے نہایت سنجیدگی سے سمجھا کہ لاہور تصور کرتے ہوئے یہاں موجود مسجد کو ایک ادارہ کے احیاء کی صورت میں تعمیر کیا۔ مذکورہ بالا بیان سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ جگہ یعنی موجودہ چوک وزیر خاں بعد سلطان فیروز شاہ تغلق دینی و علمی اور روحانی مرکز تھا اور شہر لاہور کا پتہ رونق مقام تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گازرونی نے ایک علمی اور تبلیغی مرکز بھی قائم کیا جس میں علماء اور طلبا قیام رکھتے تھے۔ ان کی پوری طرح تربیت کی جاتی تھی۔ پھر اشاعت دین کے فریضے کی ادائیگی کے لئے مختلف شہروں اور جاگہوں کو روانہ کیا جاتا تھا۔ اگر لوگوں اور مریدوں کی عبادت میں کوئی غلطی محسوس کرتے تو فوراً اس کو متنبہ کرتے تھے۔ آپ کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لانے میں بڑی قدرت حاصل تھی۔ آپ کی برکت سے بہت مخلوق راہ راست پر آئی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت سید اسحاق گازرونی روح کا حلقہ مریدان بہت وسیع تھا۔ آپ سلسلہ اوحدیہ سے تعلق رکھتے تھے اور پیر و مرشد کے طریقہ تصوف کو فروغ دیا۔ اس مکتب فکر سے مختلف مراکز رونما ہوئے، متعدد شاخیں بھوسیل اور اتھلی جہک اٹھی کہ فارس اور ہندوستان ان کی خوشبو سے جہک اٹھا۔

مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین ”عبرت نامہ“ میں تحریر کرتے ہیں ”دوم درگاہ حضرت سید اسحاق گازرونی کہ پیر و مرشد سید حسین العابدین کہ نگاہی والا مشہور و معروف اندر مسجد وزیر خاں مشہور یہ میرا بادشاہ است ہم چہیں مردماں ہر شب جمعہ و روز بروز درگاہ موصوف بہرہ یاب و حصول مدعا می نمایند“

۱۔ دیکھیں حالات کلی ۲۔ مسجد وزیر خاں لاہور ص ۱۰، ۱۱، ص ۲۳ غصص ۶ جلد دوم  
۳۔ بیان کرتے ہیں کہ نگاہی والا خاندان بستی سخی سرور ڈیرہ غازی خاں میں مقیم ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سید زین العابدین جو نگاہی والا کے نام سے مشہور تھے آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ جمعرات کی رات اور جمعہ کے دن آپ کے روضہ قدس پر ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے اور فیضیاب ہوتے۔ آپ تحمل اور جرود باری میں باکمال بزرگ تھے۔ مصادر و ماخذ کی کمی کے باعث آپ کے ابتدائی دور کی علمی اور صوفیانہ سرگرمیوں کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ چند باتیں جو مقدمین علماء، فضلاء اور صلحاء سے آپ کے بارے دستیاب ہوئیں صرف ان ہی پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ معاصرانہ تذکروں اور کتب تاریخ میں ذکر نہ ہونے کے باعث آپ کی زندگی کے حالات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں اور بعض مقالات پر خاصاً تضاد بھی نظر آتا ہے ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ماخذ مل جانے سے یہ اچھنبیں رفع ہو سکیں۔

## ۶۔ خوارق و کرامات حضرت سید اسحاق گارزونی لاہوری

حضرت سید اسحاق گارزونی کے خوارق و کرامات حدِ حق سے زیادہ ہیں جو خوفِ طوالت آپ کی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے آپ بڑے شفیق، مہربان، رحمدل اور حلیم اطیع بزرگ تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری تحفۃ الصلیب کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ لاہور کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ لیکن آپ نے اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے وہ ناراض ہو کر آپ کو گایاں دینے لگا۔ لیکن آپ خاموش رہے اور کسی قسم کی ناراضگی کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ جب وہ شخص بہت دیر تک آپ کو برا بھلا کہتا رہا تو حاضرین مجلس سے کسی شخص نے آپ سے کہا یہ شخص اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے آپ اس کیلئے بددعا فرمائیں تاکہ اپنی گستاخی کی سزا پائے۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرمانے رہے ابھی آپ دعا ختم نہ کر پائے تھے کہ وہ گستاخ اور بے ادب زمین پر بے ہوش ہو کر گرا اور نقشہ سیاہ و گھٹنے کے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اٹھ کر حضرت کے قدموں پر گہرا معافی چاہی اور آپ کا مرید ہو گیا۔ پھر آپ نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کو نیکی عطا فرمائی اس پر اسرارِ باطن عیاں ہو گئے یہ بہتر ہے اگر میں اس کے لئے بددعا کرتا تو یہ اپنی سزا کو پہنچا۔

حضرت سید اسحاق گارزونی رح کی ذاتِ بابرکات میں جمالیات اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ موران جہاں جہ رحبت سنگھ کی محبوب رانی تھی۔ اس رانی کی رسائی یہاں تک بیان کی جاتی ہے۔

کہ دربار کا کوئی کام اس کے مشورہ و تجویز کے بغیر سرانجام نہ پاتا تھا۔ بہاراجہ نے اس کے نام سے بڑی بھی جاری کی اور سارے پنجاب میں اس کا سکہ رائج ہوا۔

مضنی تاجدین بن مضنی امام الدین بن قاضی نظام الدین قدیم لاہور کے حالات میں تحریر کرتے ہیں۔ "حالت تعشق میں بہاراجہ نے مزب بنام بی موراں لگوائی اور وہ روپیہ بھی برابر رائج رہا۔ ایک خزانہ باہر قلعہ کے تھا جس پر عمل سنگھ مختار تھا۔ گرا نہ ہاتھ تلے والے خزانہ میں رکھی جاتی تھی اور کچھ نقد روپیہ موتی مسجد میں جس کو موتی مندر کہتے ہیں جمع تھا۔ قلعہ لاہور سے کچھ دور اور مسجد نواب وزیر خاں کے نزدیک بازار صحافاں ایک پر رونق اور تجارتی مرکز تھا۔ بہاراجہ رنجیت سنگھ عموماً اس بازار سے گزرتے کہ وہاں دروازہ کے راستے مزار حضرت شاہ بلاول قادری اور شاہ حسین (مادھو لال حسین) کو جاتا کرتا تھا۔ ایک دن اتفاقاً بہاراجہ رنجیت سنگھ اور رانی موراں بازار صحافاں سے گزرتے ہوئے مسجد وزیر خاں میں داخل ہو گئے۔ مسجد کے صحن میں حضرت سید اسحاق گارزونی رح کامزار پڑاوار ہے اور اس کے پاس ولے پلنار پر چڑھ کر اندرون شہر کا نشانہ کیا۔ دن بھر اس پلنار پر عیش و عشرت میں مشغول رہے اسی روز قدرت الہی نے یہ رنگ دکھلایا کہ بہاراجہ رنجیت سنگھ رات کو سخت بیمار ہو گیا۔ حاضرین نے کہا کہ یہ آثار غضب اُس ولی اللہ کا ہے جس کا مزار اس مسجد کے صحن میں واقع ہے۔ مسجد اور ان کے نقوش و احترام کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ بہاراجہ خوف زدہ ہوا اور پانچ سو روپیہ نذر پیش کی اور عہد کیا کہ اس مقدس مقام پر کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی۔ حضرت سید اسحاق گارزونی کی اس کشف و کرامت کے سبب یہ مسجد سکھ گردی کا نشانہ نہ ہوئی اور سکھوں کے آئندہ ہمدانوں سے محفوظ رہی۔ لاہور کے عہد اسلامی کا یہ

۱۔ اقباس از تاریخ لاہور تصنیف مضنی تاجدین مرحوم ورق ۳۶ (بحوالہ ادیشنل کالج میگزین لاہور ص ۱۲۳ مئی ۱۹۳۶ء)

۲۔ یہ مسجد سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے قلعہ لاہور جانب مغرب دوات خانہ جہانگیر کی ڈیوڑھی کے پاس واقع ہے۔ عہد جہانگیر اور شاہ جہان کی یادگار ہے اور موتی مندر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ سن ۱۶۹۹ء سے ۱۷۲۹ء تک قلعہ لاہور سکھوں کے قبضہ میں رہا اور رنجیت سنگھ کا انتقال بھی اس قلعہ کے شش محل میں ہوا تھا (عمدة التواریخ ج ۳ ص ۱۵۲-۱۵۵) عہد دیکھیں حالات ص ۱۰۲

۳۔ اس بازار کو بازار کتب فردشاں بھی کہتے ہیں کاتب، صحاف، نقاش جلد ساز دیگر کاروباری تاجر یہاں سکونت رکھتے تھے۔

۴۔ تاریخ لاہور از کنہیا لال ص ۱۷۷

اتنا جو ہمارے ماضی کا آئینہ و امانت ہے، ہشکت و ریخت سے بچ گئے اور مسجد  
 وزیر خاں کی زینت قائم رہی۔ اسکے علاوہ تحقیقات چشتی میں مرقوم ہے۔ ہمارا جب  
 ریخت منگھ ہمارا اس کی منسلی کی طرف مزور تو ہر زمانے میں مگر سکھوں میں مشہور ہے کہ نواب وزیر خاں  
 مرحوم جناب گوردوارجن صاحب سے نہایت ارادت حدانہ پیش اتنا رہا تھا۔ حال دیرہ گوردوارجن  
 صاحب میں حال نواب صاحب کی ارادت کا جناب گوردوارجن صاحب مرقوم ہے۔

مولوی محمد دین فوقی تذکرۃ العلماء و المشائخ میں تحریر کرتے ہیں کہ ہمارا جب ریخت منگھ کے  
 زمانے میں غلام محمد مشہور امام گاموں مسجد وزیر خاں کے امام تھے۔ ہمارا جب آپ کی بڑی عزت  
 کرتے تھے۔ مسجد وزیر خاں محض آپ کی طفیل اس زمانہ میں سکھوں کے قبضہ اور مداخلت سے  
 بچ رہی۔

۶۔ حال لاپیرو مشہور حضرت سید اسحاق گانرونی لاہوری قدس سرہ

حضرت اوصد الدین اوصد صغہانی حضرت سید اسحاق گانرونی کے پیر و مرشد تھے اور ان  
 ہی سے فرقہ خلافت پایا۔ آپ عظیم صوفی زبردست عالم اور بلند پایہ شاعر صاحب کمال اور  
 انواع علوم ظاہر و باطن میں اتنی اذی درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا وطن صغہان تھا۔ اس بارے مفتی  
 غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں رقم طراز ہیں۔

سید اسحاق گانرونی لاہوری مشہور میراں بادشاہ قدس سرہ صاحب مقامات بلند و  
 کمالات اور بلند خاندان سادات عظام حسینی است و بوقت خود شیخ المشائخ و قطب الاولیاء  
 بود نسبت ارادت بخدمت اوصد الدین صغہانی داشت۔ مرید تحریر کرتے ہیں۔ شیخ اوصد الدین صغہانی  
 قدس سرہ از خلفائے عظام شیخ اوصد الدین کرمانی است از کبار اولیائے عہد خود بود۔

مولانا عبد الرحمان جامی نقلمات الانس میں تحریر کرتے ہیں۔ شیخ اوصد الدین جامعہ کرمانی قدس اللہ  
 سرہ وی مرید شیخ زکریا الدین سجاسی است و وی مرید شیخ قطب الدین الابرہے و وی مرید ابو انجیب  
 سہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہم بسیار بزرگ بودہ است و بصحت شیخ محی الدین ابن العربی رسیدہ است۔

۱۔ تحقیقات چشتی ص ۱۰۲۲ تذکرۃ العلماء و المشائخ ص ۲۰ آپ شیخ عبد اللہ بلوچ  
 کے مرید تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ شریعت ظاہری اور باطنی دونوں میں آپ کو کمال  
 حاصل تھا۔ گنج غنی اور خمس التوحید آپ کی تصانیف ہیں۔ پنجابی زبان میں بھی آپ کے ابیات موجود  
 ہیں، غریب آپ کا تخلص تھا۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ بعمارت بلند چختہ  
 مسجد وزیر خاں سے باہر خوب کی جانب واقع ہے۔ ص ۲۹۲ جلد دوم ص ۲۸۹ جلد دوم ص ۶۰۶ ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

شیخ اودھ الدین اصفہانی رحمہ اللہ، شیخ اودھ الدین حامد انکرمانی رحمہ اللہ کے مرید تھے اور ان ہی سے فرقہ خلافت پایا اور شیخ صدر الدین رامیتنی آپ کے پیر بھائی تھے۔ شیخ اودھ الدین حامد انکرمانی رحمہ اللہ پایہ شاعر تھے انکا تخلص اودھ تھا۔ آپ کے مرید شیخ اودھ الدین اصفہانی نے اپنے پیر و مرشد کے نام کی رعایت سے اودھ ہی تخلص کی۔ اور اسی نام سے شہرت پائی حالانکہ آپ پہلے صفائی تخلص کرتے تھے۔ آپ مذہب اشافی، مسدک سنی، مہراج اور مشرب میں نکتہ نظر دہودی رکھتے تھے۔ آپ نے حکیم سنائی غزنوی کی مثنوی عدیقہ الحقیقت کے وزن اور اسلوب پر ایک مثنوی جام جم لکھی جس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مثنوی اخلاق و تصوف اور معرفت کے بیان میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ مثنوی معرفت الہی کا سرمایہ اور اسرار ایزدی کا گنجینہ ہے۔ حکیم سنائی کی طرح آپ بھی حکیم اودھ کی نام سے مشہور ہوئے۔ آپ انجری ایٹھانی بادشاہ سلطان ابوسعید خان بہادر بن اجمی تو (۱۶۷۱ء - ۱۶۷۶ء) کے دربار میں ملک الشعراء تھے۔ آپ نے سلطان ابوسعید اور اس کے وزیر غیاث الدین محمد بن خواجہ رشد الدین فضل اللہ کی مدح بھی لکھی ہے۔ درج ذیل چند اشعار آپ کے ملاحظہ ہوں:-

|                            |                                   |
|----------------------------|-----------------------------------|
| اودھ ہی نشست سال سخن و دید | تا شبے روئے نیک۔ سختی و دید       |
| سرگفتار ما مجازی نیست      | باز کن دید کہین ببازی نیست        |
| ساہا چوں فلک سیر گشتم      | تا فلک وار دیدہ و گشتم            |
| ایں ہمہ گفت و گوے توجیدست  | راہ وحدت بزرگ و تجریدست           |
| سخن وحدت ست ہم چوں سراب    | از سراب اے پسر کہ شد سراب         |
| خاکاران جہاں را بحقارت منگ | تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد |

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف ”مسجد و زیرخان لاہور میں تحسیر کرنے والے ہیں۔“ آپ اسید اسحاق گانزونی رحمہ اللہ اور اودھ الدین کرمانی رحمہ اللہ کے سلسلہ مریدان میں شامل تھے اور آپ سے اجازت لے کر گانزون سے یہاں لاہور میں تبلیغ اسلام کی خاطر تشریف لائے۔ ان کے علاوہ مولوی اعجاز الحق قدوسی ”تذکرہ صوفیائے پنجاب“ میں اس قول کی بون تائید کرتے ہیں۔

جام جم کا قلمی نسخہ ایتھے کی بودلین (Badliin) لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و فارسیہ ج ۲ کے ص ۱۳۶۶ پر شمارہ ۲۳۵۹ کے تحت مندرج ہے ص ۲۲ ص ۲۳ ص ۲۴ ص ۲۵ ص ۲۶ ص ۲۷ ص ۲۸ ص ۲۹ ص ۳۰ ص ۳۱ اور پینٹیل باؤگرافیکل ڈکشنری طبع نیویارک ۱۹۶۵



” انہوں نے (سید اسحاق گازرونی لاہوری) نے شیخ اوحدا الدین کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ابتداء گازرون میں رہتے تھے۔ پھر اشارہ غیبی کی بنا پر لاہور تشریف لائے۔ شیخ اوحدا الدین کرمانی شیخ رکن الدین سجاسی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔ شیخ اوحدا الدین مرید شیخ رکن الدین سجاسی مرید شیخ قطب الدین ابھری مرید شیخ ابوالنجیب سہروردی شیخ اوحدا الدین کرمانی کچھ دن شیخ محی الدین ابن عربی کی صحبت میں بھی رہے تھے۔“

ڈاکٹر صاحب اور مولوی صاحب کی تحقیق اس بارے نا درست ہے۔ ان کو اوحدا الدین کے نام سے اشتباہ ہوا ہے کہ انہوں نے اوحدا الدین اوحدی اصفہانی پیر و مرشد حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی بجائے اوحدا الدین کرمانی لکھ دیا ہے جو حضرت سید اسحاق گازرونی کے مرشد کے مرشد ہیں۔ اور وہ اوحدا الدین اوحدا حامدا لکرمانی رح کے نام سے معروف ہیں۔ بہر حال خزینۃ الاصفیاء کے مطابق شیخ اوحدا الدین اوحدی اصفہانی رح نے ۷۳۷ھ میں رحلت فرمائی اور اوحدا الدین اوحدا حامدا لکرمانی رح نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ منتخب التواریخ کے قول کے مطابق شیخ اوحدا الدین اوحدا حامدا لکرمانی رح کا سن وفات ۶۲۵ھ بیان کیا جاتا ہے۔ اور مصباح الارواح میں ۶۹۶ھ تحریر ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مصباح الارواح کا درج سن وفات قابل اعتماد ہے۔ جب کہ حضرت سید اسحاق گازرونی نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی جسے عقل بھی قبول کرتی ہے۔

حضرت شیخ اوحدا الدین اوحدا حامدا لکرمانی رح کو سماع سے غیر معمولی شغف تھا۔ شیخ شمس الدین تبریزی نے مولانا رومی رح کے سامنے فرمایا کہ شیخ اوحدا الدین عاشق مزاج ہے۔ لیکن پاکباز اور پاک دامن ہیں۔ آپ کی مشہور مثنوی ”مصباح الارواح“ ہے۔

۱ ص ۲۸۹ ، ۲۹۲ جلد دوم ۱ ص ۲۲۲۔ انوار الاصفیاء

۲ قلمی نسخہ بوریلیں (Bodleian) لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و

فارسیہ از ایتمہ ج ۲ کے س ۱۶۲۱ شمارہ ۱۲۶۲ ، ۳۸۲ ، ۳۸۶ مندرج ہے۔ ریو (Rue)

اورٹی۔ ڈبلیو۔ پبل این اورینٹل بائیوگرافیکل وکٹوری میں سن وفات ۶۹۶ ہجری ہی

لکھا ہے۔ ۱ ص سفینۃ الاولیاء ص ۲۲۷ و ماخذ طرائق الحقائق ج دوم

حضرت بابا فرید گنج شکر (المتوفی ۶۶۴ھ) عالم جوانی میں اپنے علم ظاہری کی تکمیل میں  
 سیستان کی دینی درس گاہ میں مشغول تھے کہ آپ کی ملاقات فواج سیستان میں وقت کے مشہور و  
 معروف اور صاحب کرامت بزرگ حضرت شیخ اودھ الدین کرمانی سے ہوئی۔ جب بابا فرید  
 گنج شکر ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے اور حضرت بابا صاحب کو گلے لگا کر  
 فرمایا: ”زہے سعادت کہ تم ہمارے پاس آ گئے“ ۱۷

## ۸۔ وصال حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری

مصطفیٰ غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ تحفۃ الواصلین بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید  
 اسحاق گازرونی نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی۔ متقدمین مورخین نے سال وفات کا استخراج  
 ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے کیا ہے۔ اور رسالہ مذکورہ میں یہ قطع بھی درج ہے:-

سید اسحاق ولی کریم  
 سال وصل او عجب آمد زرت  
 گنت چوں زیں دہر بخت مقیم  
 ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

۷۸۶ھ

### ترجمہ

سید اسحاق نیک دل ولی جب اس دنیا سے جنت میں تشریف لے گیا تو دل نے  
 ان کے وصال کا سال ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے حاصل کیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کو گور رٹہ متصل دہلی دروازہ میں دفن کیا گیا جہاں  
 آج بھی آپ کا مزار چہ انوار زیارت گاہ خلق ہے۔

صاحب ثمرات القدس تحریر کرتے ہیں:- ”ایں فایض الانوار وفات تاریخ سنہ ہفتصد  
 ۹۹۹ تاسنہ ہفتصد و نو و نہ ہمان میات بود۔ چوں وفات یافت بدروازہ دہلی متصل بازار رزہ فی الاصل  
 مدفون ساختند“

۱۷ راحت القلوب ص ۲۴ ۱۸ بعض تذکروں میں ”وصل او“ کی بجائے ”وصال“ لکھا

ہے۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۲ ج دوم

۱۹ ثمرات القدس قلمی ص ۵۱، ۵۲

صاحب ثمرات القدس کے قول کے مطابق آپ نے ۶۰۰ ہجری تا ۹۹۹ ہجری کے درمیان کسی سال وفات پائی بازار رتہ متصل دہلی دروازہ میں دفن ہوئے۔ صاحب ثمرات القدس نے آپ کی تاریخ وفات ایک اندازہ کے مطابق بیان کی ہے مقررہ تاریخ وفات نہیں لکھی۔ سب سے پہلی کتاب جس میں سید اسحاق گازیرونی کے حالات زندگی و متباب مجھے ہیں۔ وہ تحفۃ الواصلین ہے۔ یہ کتاب اس زمانہ میں نایاب ہے۔ صرف چند کتابوں میں اس کے چند حوالے ملتے ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی نور احمد چشتی اپنی کتابوں قدرت الیفات میں اسی کتاب کے جا بجا حوالے دیتے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کتاب ان کے پاس موجود تھی۔

رائے بہادر کنھیالال "تاریخ لاہور" میں لکھتے ہیں۔ "شیخ احمد زبجانی صاحب تحفۃ الواصلین جس نے وہ کتاب ۲۳۵ھ عہد سلطان محمد وغزنی میں مقام لاہور اس شہر کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے۔ اس بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ کتاب شیخ احمد زبجانی کی تحریر کردہ ہے اور ۲۳۵ھ میں لکھی گئی۔ اگر ۲۳۵ھ سن تصنیف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت سید اسحاق گازیرونی کی تاریخ وفات ۶۸۶ھ غیر صحیح ہے اگر صاحب ثمرات القدس کے بیان کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب تحفۃ الواصلین ۲۳۵ھ کی تصنیف نہیں بلکہ ۶۸۶ھ یا اس کے بعد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ عدم موجودگی کے باعث سن تصنیف کی صحیح تحقیق نہیں ہوگی۔

سئل بیگنہ یعنی ثمرات القدس میں حضرت سید اسحاق گازیرونی کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

"بہ تخریب مقابر و اصاعز و اکابر مصروف گشت سعادت مندے کہ زبان قلم نامش را نمی برد و مقرب خلیفہ وقت و عارض لشکر وے است چند ہزار قبر را منہدم گردانید چوں سنہ ۱۰۰۰ ہزار و اندیکے از مقربان خلیفہ وقت کہ کراے نامش بدون نکندہ در آن سرزمین عمارتے بساخت و قبر ویرا در میان بگرفت و فقیر در آن مدت بخدمت و کن تعیین بود و چوں ازاں جا باز آمد آن عمارت در آن جا دیدہ شد از دی پرسید گفتند در حجرہ قبرش را در میان گرفتہ و بحال خود گذاشتہ باقی العلم عند اللہ تعالیٰ و تقدس"۔

ص ۳۳ ۱۷ ثمرات القدس ص ۵۲ (قلبی نسخہ)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و  
 نواح کا علاقہ ایک میدان تھا جس میں بہت سے مقبرے اور قبریں تھیں جو تباہ و برباد ہو گئیں  
 پھر ان پر عمارات تعمیر ہوئیں۔ صاحب ثمرات القدس تباہ و برباد کرنے والوں کے ناموں سے  
 ہم کو آگاہ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے وڈتا ہوا اور حقیقت  
 بیان کرنے سے گریز کرتا ہو۔ پھر چند عرصہ کے لئے سفیر کی حیثیت سے دکن کی ریاستوں  
 میں ملازم بھی رہا۔ جب واپس لاہور آیا تو دیکھا کہ بہت سی عمارات بنی ہوئی تھیں۔ اور  
 حضرت سید اسحاق گزرونی رح کا مزار ایک چوٹی میں لیا ہوا ہے اور اس کے گرد ایک خشتی  
 حجرہ تعمیر ہے۔ یہ واقعہ سن اہت ہزار ہجری کے لگ بھگ یا اس سے قبل بیان کرتا ہے۔

حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی تاریخ وفات ۷۸۶ھ کو نقل صحیح اور درست تسلیم  
 کرتی ہے، کیونکہ آپ حضرت شیخ ابو عبد اللہ ابن اصفہانی کے مرید و خلیفہ تھے اور انہوں  
 نے ۷۳۷ھ میں وفات پائی اور آپ کے پیرو مرشد شیخ ابو عبد اللہ ابن اصفہانی رح نے  
 بحوالہ منتخب التواریخ ۶۳۵ھ میں رحلت فرمائی اور مصباح الارواح کے مطابق جو زیادہ معتبر اور  
 قابل اعتماد آپ کی تصنیف ہے سن وفات ۶۹۷ھ تحریر ہے۔ یہ تعلق بادشاہوں کا زمانہ تھا۔  
 سلطان فیروز شاہ تغلق کا عہد حکومت ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ ہے اور بجز چالیس سال دہلی کا بادشاہ  
 ہوا۔ سن ۷۸۹ھ میں عالم پیری کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں اس نے اپنے فرزند کو سلطنت  
 سونپ دی اور ۱۳ رمضان المبارک سن ۷۹۹ھ کو پیر نو سالہ ہو کر اس نے انتقال کیا۔ حضرت  
 سید اسحاق گزرونی رح اٹھویں صدی ہجری کے عظیم صوفی ہیں۔

مولوی محمد بن فوقی تذکرۃ العلماء و المشائخ میں تحریر کرتے ہیں: "سید ابوالاسحاق میراں بادشاہ  
 عامل فاضل اور شیخ کامل تھے۔ اپنے ملک ایران سے ساتویں صدی ہجری میں لاہور آئے۔ محمد  
 رڈہ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سلطان فیروز شاہ جس کے نام پر مولانا عزالدین نے تاریخ  
 فیروز شاہی لکھی ہے۔ تخت دہلی پر حکمران تھا۔ اکثر اشخاص ان سے فیضانِ باطنی و ظاہری سے مستفید

صفحہ ۲۲۲۔ انوار الاصفیاء ۷۷۷ آپ کا صحیح اسم گرامی سید اسحاق گزرونی رح ہے اور  
 میراں بادشاہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابوالاسحاق ابراہیم بن شہریار گزرونی رح چوتھی صدی  
 ہجری کے بزرگ ہیں۔ اسمی اور وطنی مشابہت سے مولوی صاحب کو اشتباہ ہوا ہے۔

ہوتے رہے۔ وفات ان کی ۷۸۶ھ میں ہوئی، مذکورہ بالا بیان تاریخی لحاظ سے غیر صحیح ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق ساتویں صدی ہجری میں تخت دہلی پر حکمران نہیں تھا۔ وہ اٹھویں صدی ہجری میں دہلی کا بادشاہ ہوا۔

## ۹۔ مزار حضرت سید اسحاق گزرونی رح لاہوری

حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی وصیت کے مطابق آپ کا مزار خام بنایا گیا۔ صاحب ثمرات القدس رقم طراز ہیں۔ ”وہ اندک زمانے پیارہ سبز کہ در بہار و خنزاں ہمیشہ سبز و خرم فی باشد بر بیت و تمام قبر کے رافز و گرفت و پوشید و این پیارہ ہر بی است کہ از ادویہ مقررہ مسند است و بسیاری از دوا ہا بکار می آید۔ از این جہت مشہور کہ دیدہ پس ”سید اسحاق سبز در بہار و خنزاں“۔“

حضرت سید اسحاق گزرونی رح کی وفات کے بعد آپ کے مرقد پر درخت پیارہ (پیارہ) نمودار ہوا جس نے خام مزار کو اپنی ننھی ننھی شاخوں میں ڈھانپ لیا یہ درخت بہار و خنزاں میں ہمیشہ سبز و شاداب رہتا ہے۔ اس درخت کی سرسبزی اور شادابی کے سبب آپ ”پیر سبز“ کے نام سے بھی معروف ہو گئے۔ پھر ایسا فیضان عام جاری ہوا کہ ہر مریض کو اس کے پتے کے کھانے سے شفا ہو جاتی تھی اس کے علاوہ ہندوستان کی دواؤں میں بھی استعمال ہونے لگا۔ کئی برسوں تک آپ کا مرقد خام رہا۔ لودھیوں کی عملداری میں آپ کے مزار کے گرد ایک خشتی حجرہ تعمیر ہوا۔ خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے اپنے مضمون ”قدیم لاہور“ جو نومبر ۱۹۴۱ء میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شائع ہوا تھا بیان کرتے کہ جب عہد لودھیوں قائم ہوا تو لوگوں کو آرام ملا اور رعیت نے آرام پایا۔ سینکڑوں مسجدیں اور کنوئیں تعمیر ہوئے اور ہر ایک علم اور ہنر اور کمال نے ترقی پائی۔ بادشاہ بہلول لودھی اکثر لاہور اور دیپاپور میں رہا کرتا تھا۔ اس نے اس کے عہد میں البتہ نسبتاً آبادی لاہور میں اضافہ ہوا بعد مرنے بہلول لودھی کے جب تک سلطنت اسکے خاندان میں رہی لوگ چین سے بستے تھے۔ عہد لودھیوں کے عمارت اور آثار جو اس وقت موجود نہیں ان کی تفصیل بھی بیان میں آتی ہے۔ دولت خاں کی باؤلی، دولت خاں کی سرائے، دولت خاں کا باغ،

سلسلہ ثمرات القدس قلمی نسخہ ص ۵۲      سکہ یہ ایک خورد و پودہ کا نام ہے بعض لوگ اسے پودہ ”ون“ بھی کہتے ہیں۔

قلعہ جات دولت آباد (جس کو گزر قلعہ بھی کہا جاتا ہے)۔

متذکرہ آثار کے علاوہ ہمیں تالاب غازی لودھی اور جوہلی نادر خاں کا بھی ذکر کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ عملداری لودھیان (سلطان بہلول لودھی تا ابراہیم لودھی) (۸۶۷ھ تا ۹۶۲ھ) میں ایک شخص مسیحی نادر خاں امیر الامراء نے حضرت کے مزار مبارک کے نزدیک اپنی جوہلی جو بعد جوہلی نادر خاں کے نام سے مشہور ہوئی تعمیر کرائی اور مزار کو اپنی جوہلی کے وسیع احاطے کے اندر لے لیا اور مزار کے گرد ایک حجرہ نشینی بنوا دیا اور گھر بھر اس کی نگرانی کرتے رہے۔ یہ جوہلی شاہ جہاں کے زمانہ تک قائم رہی وہ سرسبز اور شاداب تھا جسے جو حضرت کے مزار کو ڈھانپنے ہوئے تھیں ہوا نہ لگنے کے باعث خشک ہو گئیں۔

جب علیم الدین انصاری (نواب وزیر خاں) لاہور کا ناظم مقرر ہوا اور مسجد جو اب مسجد نواب وزیر خاں کے نام سے مشہور ہے کی تعمیر سن ۱۰۴۲ھ / ۱۰۴۵ھ میں شروع ہوئی۔ تو اس جوہلی کو ان کے وارثوں سے خرید کر مسجد ہذا میں داخل کیا اور آپ کا مزار از سر نو تعمیر کروایا جو تعمیر مسجد وزیر خاں سے تقریباً اڑھائی تین سو برس قبل کی یادگار ہے۔

لودھیوں کے دور اقتدار میں مذکورہ جوہلی کے علاوہ دولت خاں، بہار خاں اور عبدالعزیز ناظم لاہور نے دہلی دروازہ اور اس کے گرد و نواح میں بیٹھارہ جوہلیاں اور عمارات بنوائی تھیں جن کے اب نشانات باقی نہیں ہیں اور یہ میدان جو اب چوک وزیر خاں کے نام سے مشہور ہے کے گرد و نواح میں بہت مزارات اور قبریں تھیں جنکے بھی اب نشانات باقی نہیں۔

مزار حضرت سید اسحاق گزرونی، مسجد وزیر خاں کے صحن کے ندرخانہ میں سمت جنوب واقع ہے۔ اس کے گرد و نواح کی آبادی پختہ ہے۔ سرطکیں کشادہ اور گلہاں تنگ ہیں۔ یہ آبادی جوہلیاں، خوبصورت عمارات اور تجارتی بازار سے مزین ہے۔ مسجد وزیر خاں کے صحن میں جاتے ہی عین وسط میں ایک چھوٹا سا دلان نظر آتا ہے۔ دلان کی چھت قدیم وضع کی منقش ہے۔ اس دلان کے اندر چھوٹی چھوٹی دس بیڑھیاں تہ خانے کو اترتی ہیں اور یہ زمین دو مزار ایک بلند چوڑے پر دکھائی دیتا ہے اس کے گرد جنگل ہے۔ مزار کا دروازہ جنوب کی جانب ہے نہ سرہانے ایک سنگ مرمر کی تختی ہے جس پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے جو غیر صحیح ہے۔ آپ شیخ ابو عبد الدین ابو حدی اصفہانی کے مرید تھے اور ان سے

۱۰ ثمرات القدس ص ۵۲۔ الف (قلمی نسخہ)

فرقہ خلافت پایا آپ کا سلسلہ اہل حدیث۔ سچا سید۔ ابھرہ اور سپروردیہ ہے جو اکابر مشائخ حضرت  
صیاد الدین ابوالنجیب عبدالقادر السہروردیؒ تک پہنچتی ہوتا ہے۔ آپ کی قبر بہت لمبی ہے اس پر  
عموماً سپر غلاف پڑا رہتا ہے۔ آپ کی اصلی قبر کے اوپر ایک اور قبر نقلی ہے جو مسجد کے عین  
وسط میں حوض کے متصل بنی ہوئی ہے یہ نشانِ تعویذ ہے۔

اس مزار کی توہیت اور نگرانی مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے سپرد رہی۔  
سکھی عہد میں مسجد وزیر خاں کی امامت و خطابت اور مزار حضرت سید اسحق گزرونیؒ کی نگرانی  
حافظ غلام محمدؒ المعروف بہ امام گاموں بن حافظ محمد صدیقؒ بن مولانا محمد صنیفؒ بن محمد لطیفؒ  
لاہوری کے سپرد رہی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ میاں اللہ بخش نگران مقرر ہوئے۔  
حافظ محمد صلیقؒ بر عربی اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے آپ کا تخلص تارک تھا۔ ایک  
دیوان آپ کی یادگار ہے جو دیوان ”بمزیل الاخوان“ کے نام سے معروف ہے اس دیوان میں فارسی  
اور عربی کے اشعار بطور پند و نصائح درج ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی تصنیف ”تذکر الاخوان“  
میں آپ نے اسناد علم حدیث اور فقہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی، تعلیم،  
تصانیف، استادوں اور دیگر اہل علم حضرات کے حالات و ریح کئے ہیں۔ سید اسحاق المعروف  
میراں بادشاہؒ کی شان میں جن کا مزار مسجد وزیر خاں کے اندر حوض کے پاس ہے۔ کچھ اشعار  
فارسی زبان میں تصنیف کئے ہیں ازاں جملہ چند ایک حسب ذیل ہیں۔

### فارسی اشعار

|                                      |   |
|--------------------------------------|---|
| بیائے مومن سستی بہ بیت اللہ اندر شو  | طہارت ساز از خون دل و یا قوتِ احمر شو   |
| چوردہ آری بہ محراب عبادت یا دکن محشر | گدازی از رہا ضنت نفس را و صاف چوں زر شو |
| فریضہ چوں ادا کردی بہ امر حضرت رحمان | یکای بار از مزار سید اسحاق آ نور شو     |
| حصول غلبہ باز قرب چہیں کامل شود تارک | فدائے آل و اصحاب رسول اللہ اکبر شو      |

آپ نے ۱۱۹۳ھ / ۱۷۸۲ء میں بعہد تیمور شاہ درانی رحلت فرمائی۔

صدر ایوب کے دور حکومت میں محکمہ اوقاف کا قیام عمل میں آیا جسکی بدولت بزرگان

لے تذکرۃ العلماء و المشائخ از محمد دین فوق ضمن حالات مولانا محمد صدیقؒ نقوش لاہور نمبر ۲۰۲  
مضمون از مولانا علم الدین سالک عدالتی الحنیفہ از مولوی فقیر محمد جہلمی ص ۲۵۲

دن کے مزاروں کی دیکھ بھال کا کام براہ راست حکومت کی تحویل میں آگیا اور یہ نشانیاں محفوظ و  
 یوں ہو گئیں۔ مزار حضرت سید اسحاق گزرونی رح اور مسجد و نہ پر خاں اس وقت حکومت کی  
 ریل میں ہے۔ محکمہ اوقاف اس کا نگہبان ہے جو اپنے فرائض نہایت گرم جوشی سے انجام دے  
 رہے۔ ان کا سب سے بڑا مقصد خالقانہوں سے متعلق جائیدادوں کی آمدنی کو شریعت اسلامی  
 نے مطابق تعمیر ملت کے لئے خرچ کرنا ہے اور وقف املاک کی آمدنی و انقباض کی منشاء کے  
 مطابق خرچ کیا جائے۔ مقدس عمارات کی ناگفتہ بہ حالت کو درست کیا جائے۔ زائرین اور  
 عقیدت مندوں کی سہولت کے لئے مناسب اور معقول انتظامات کئے جائیں اور صاحب مزار  
 کے مسلک کے مطابق تعلیمات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ آج نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان کے کوئی  
 گوشہ میں آپ کے عقیدت مند موجود ہیں جو سال کے عام دنوں میں اور خاص طور پر عرس کے موقعہ  
 پر سکون قلب کے لئے آپ کی درگاہ پر حاضری دیتے ہیں اور مزاج خاص و عام ہیں۔ آپ کا  
 عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ۱۳-۱۴ رجب المرجب آپ کے سالانہ عرس  
 کی تاریخ ہے اس کے علاوہ مزار مبارک پر جمعرات کے روز ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے  
 ہیں اور خاصہ میلہ ہو جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر مجالس ذکر کہ ہوتی ہیں۔ جن میں آپ کے عقیدت مند  
 جوش و جذبہ اور سرمستی کے عالم میں شریک ہوتے ہیں اور خالقانہ کی عظمت و شوکت کو بجد  
 ارکان اُجاگر کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ روزہ مبارک پر صبح سے شام بلکہ رات بھر قرآن کی  
 تلاوت، نعت خوانی اور دو سلام پیش کیا جاتا ہے۔ مزار کے باہر ایک میدان ہے جو  
 چوک وزیر خاں کے نام سے معروف ہے۔ اس چوک میں خاصی رونق ہوتی ہے۔ عرس کے  
 دن مزار کے ارد گرد کانیں لگنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اس پاس کی تمام سڑکوں اور گلیوں پر بھی رونق  
 ہو جاتی ہے اور ہر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق خرید و فروخت کرتا ہے۔

عہدِ مغلیہ میں یہ مقام پُر رونق تھا۔ اور تجارت کا ایک اہم مرکز تھا۔ کاروبار کے لحاظ سے  
 اسے بہت اہمیت تھی اور لوگ بہت خوشحال تھے۔ کبھی عہد کے دوران بھی اس چوک کی رونق نہیں کوئی  
 فسخ نہ آیا۔ اس کی تصدیق رائے بہادر کنہیا لال اپنی تصنیف "تاریخ لاہور" میں اس طرح  
 بیان کرتے ہیں

"لکھنؤ کے وقت (مسجد وزیر خاں) کی دکانوں پر بھی بڑی رونق رہتی تھی کہ جلد سازی کی کانیں



سولے اس جگہ کے شہر کے کسی بازار میں نہ تھیں۔ جلد سازی و کتاب فروشی اسی مقام پر ہوتی تھی۔  
 سکھوں کے وقت چھاپے کی کوئی کتاب ہندوستان (بھارت) سے پنجاب نہیں آتی تھی۔  
 قلمی کتابیں کاتب لوگ لکھ کر فروخت کرتے تھے تمام تجارت کتابوں کی دزیرخان کی مسجد کے گنبد  
 بیرونی کے دکاندار کیا کرتے تھے وہی لوگ جلدی بندی کا کام کرتے تھے۔ اس وقت کتاب فروشی  
 کا بڑا کارخانہ میاں محمد بخش صحاف جو مولوی فضل بن صحاف کے والد تھے، کا تھا جس کے پاس تقریباً  
 پچیس تیس کاتب ملازم کتابیں لکھا کرتے تھے اس کارخانہ سے قلمی کتابیں تمام پنجاب میں جاتی تھیں  
 بلکہ ایران و خراسان تک سوداگر خرید کر لے جاتے تھے۔

کاغذ کی منڈی امرتسر، پٹنہ اور سرحدی علاقوں میں تھی یہ کاغذ پر گنہ سبیا لکوٹ میں تیار  
 ہوتا تھا۔ اعلیٰ قسم کا کاغذ مذہبی کتابوں کی کتابت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ادنیٰ اور درمیانہ درجہ کا کاغذ  
 سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں استعمال ہوتا تھا یہ کاغذ مذہبی کتابوں کی کتابت کے لئے ایران و خراسان  
 اور کابل کو بھی بھیجا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا بیان کی تائید بعض اور کتب سے بھی ہوتی ہے۔ چند بھان برہمن چہارچین میں  
 لکھا ہے۔

”کتب بے شمار از عربی و فارسی و دیگر سخنہائے معتبر از تواریخ و ثنوی و دوا دین متقدین و متاخرین  
 و نشانات و فکرات و رقعات و قطعات و نوشتہ ہات خوشنویسان روزگار و سائر آلات و ادوات  
 خلق از ہر قسم و ہر جنس بمعرض خرید و فروخت می آید،“

غرضیکہ چوک اور مسجد دزیرخان ایک علمی اور دینی مرکز تھا۔ مسجد کے ارد گرد کتب فروش  
 دکانیں رکھتے تھے اور نوشتہ و خواند کا تمام سامان یہاں فروخت ہوتا تھا یہ چوک اور مسجد دزیرخان  
 خاص طور پر لاہور کے دینی، روحانی و علمی حلقوں میں مشہور و معروف تھا۔ چوک اور مسجد کا صحن علمی اور  
 ادبی اعراس کی خاطر بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہ چوک جو کبھی عمارات، مکانات، دکانات، تجارتی  
 منڈی اور دینی مراکز سے مزین تھا اب ایک چھوٹا سا قطعہ زمین رہ گیا ہے جہاں اب کپڑے کی چند  
 دکانیں ہیں۔ شمال مشرقی گوشہ میں دروازہ کلاں کے نزدیک مزار حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید  
 سید صوف واقع ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۱۰ ورق قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ۱۰۰۰ یہ دروازہ سفید دروازہ کے نام سے بھی مشہور ہے

# ۱۰۔ شجرہ بیعت سلسلہ عالیہ حضرت سید اسحاق کازرونی لاہوری

(اودھدیہ سجاسیہ۔ الجھریہ۔ سہروردیہ اور جنیدیہ)

## اسمائے گرامحی

- حضرت سید اسحاق کازرونی رحمہ لاہوری سلسلہ اودھدیہ، سجاسیہ، الجھریہ، سہروردیہ اور جنیدیہ سے منسلک تھے اس سلسلہ کے بزرگوں کے نام بہ ترتیب حسب ذیل ہیں :-
- (۱) حضرت سید اسحاق کازرونی رحمہ لاہوری (م ۶۸۶ ہجری)
  - (۲) حضرت شیخ اودھالدین اودھدیہ اصفہانی (م ۷۳۶ ہجری)
  - (۳) حضرت شیخ اودھالدین اودھ حامد لکرمانی (م ۷۳۵ ہ) (بحوالہ منتخب التواریخ) (م ۷۹۶ ہ) (بحوالہ مصباح الارواح)
  - (۴) حضرت شیخ رکن الدین سجاسی ( )
  - (۵) حضرت شیخ قطب الدین ابورشید اظہری ( )
  - (۶) حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر السہروردی (م ۵۶۳ ہجری)
  - (۷) حضرت شیخ احمد عزالی (م ۵۱۲ ہ)
  - (۸) حضرت شیخ ابوبکر نساج (م ۴۸۶ ہ)
  - (۹) حضرت شیخ ابوالقاسم الجرجانی (م ۴۵۰ ہ)
  - (۱۰) حضرت شیخ ابوعثمان المغربی (م ۳۷۲ ہ)
  - (۱۱) حضرت شیخ ابوعلی الکاتب (م ۳۲۶ ہ)
  - (۱۲) حضرت شیخ ابوعلی الرور باری (م ۳۲۱ ہ)
  - (۱۳) حضرت شیخ ابوالقاسم جنید الغدادی (م ۲۹۷ ہ)
  - (۱۴) حضرت شیخ سری سقطی (م ۲۵۱ ہ)
  - (۱۵) حضرت شیخ معروف کرخمی (م ۲۰۰ ہ)
  - (۱۶) حضرت امام موسیٰ رضا کاظم (م ۱۵۹ ہ)
  - (۱۷) حضرت امام جعفر صادق (م ۱۴۸ ہ)

(۱۸) حضرت امام محمد باقر (م ۱۱۲ھ)

(۱۹) حضرت امام علی زین العابدین (م ۹۴ھ)

(۲۰) حضرت امام حسین الشہید (م ۶۱ھ)

(۲۱) حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (م ۴۰ھ)

(۲۲) حضرت سید المرسلین خاتم النبیین شیخ المذنبین، رحمتہ اللعالمین، شفا عت

وستگاہ، امت پناہ، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم

احقر

میان اخلاق احمد

## ذکر شیخ اولیاء حضرت سید صوفی لاہوریؒ

### ۱۔ اخلاق و عادات حضرت سید صوفی لاہوریؒ

اسم گرامی حضرت سید صوفیؒ، مگر حضرت سید سید صوفیؒ کے مبارک نام سے شہرت پائی، آپ صوفیہ عظام سے ہیں۔ بڑے مستجاب الدعوات، صاحب کرامات و عالی مقامات اور ظاہر و باطنی علم میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور رشد و ہدایت کی شمع جلا کر ہزاروں انسانوں کو ذکر واذکار کی تعلیم دی اور اور ان کے دلوں میں ایمان کی شعاعوں کو روشنی کیا۔ آپ صاحب نسبت، صاحب دل، عابد، عارف باللہ، متقی، پرہیزگار، صاحب مروت، پیر کامل، ہادی طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔ ہزاروں افراد آپ سے فیض یاب ہوئے۔ نگران اکابر دین کا نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق محفوظ نہ کر سکے۔ آپ کا مزار موجودہ چوک وزیر خاں کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ اس چوک کی ہر گلی اور ہر کونہ میں کسی شہید یا ولی اللہ کا مزار قائم ہے جو اپنی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر صفحات تاریخ لاہور ہمیں ان اولیاء کرام کے حالات سے آگاہ نہیں کرتے۔ رائے بہادر کنہیا لال "تاریخ لاہور" میں لکھتے ہیں۔

یہ مزار (حضرت سید صوفیؒ) بھی مسجد وزیر خاں کی تعمیر سے اولاً یہاں بنا ہوا تھا اور مسجد کی تعمیر ہوئی۔

۱۔ مولوی نور احمد چشتی آپ کا اسم گرامی میراں سید صوفیؒ اور سید صوفیؒ بھی لکھتے ہیں۔  
ص (۱۰۰۸) تحقیقات چشتی، ص ۱۶۹

آپ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور علم و حلم میں اپنی نظر آسکتے تھے۔ آپ کی فائز ہابرکات میں جمالیات اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہدایتِ خلق، تبلیغِ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکامات اور بیانات رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے آپ ایک واعظ اور پُر تاثیر متکلم بھی تھے۔

آپ کس رکن میں پیدا ہوئے کب لاہور تشریف لائے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی کیا تھا۔ آپ نے کس مقام پر تعلیم و تربیت حاصل کی، آپ کے استاد، پیرو مرشد کا اسم گرامی کیا تھا۔ اس بارے میں سب سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ بعض مورخ اور تذکرہ نگار آپ کو سید اسحاق گزرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ کا ہم عہد اور ہم مجلس اور بھائی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اس قول کی تصدیق ابھی تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہو سکی۔ پیر غلام دستگیر نامی "بزرگان لاہور" میں بحوالہ رسالہ تحفۃ الاولیاء صلیب تحریر کرتے ہیں کہ آپ حضرت میراں بادشاہ سید اسحاق گزرونی مد فون اندرون مسجد وزیر خاں کے ہم عصر تھے اسی بات سے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھائی تھے۔ بہر حال آپ کے شخصی حالات بہت کم یاب ہیں۔

## ۲۔ خوارق و کرامات حضرت سید صوفی لاہوری

حضرت سید صوفی کی کرامات حد شمار سے باہر ہیں۔ آپ کے عقیدت مند بکثرت تھے مگر انوس ان عقیدت مندوں کے نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق ہمیں آگاہ نہیں کرتے۔ کیونکہ مغلوں کا دور ایک خطرناک اور تاریک ترین دور تھا جس میں کسی عظیم یارو جانی شخصیت کے حالات ناموں کا باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ مشکل سے دستیاب ہے۔ خاص کر ان کا ہر دین کا جو اس عہد میں تشریف لائے جبکہ یہاں بے چینی اور بد امنی تھی۔ کافروں اور ملحدوں کا بھی

۱۷ ص ۲۲۱ تہ "تاریخ، منگول یا مغل شمالی پنجاب کے سرحدی علاقوں میں سکونت رکھتے تھے۔ لوٹ مار، قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ دولت کے بہت حریص تھے۔

غلبہ نقار اب ان کے حالات زندگی ان کے علمی کارنامے ان کی روحانی فتوحات اور اس کے گرد و پیش کے حالات و واقعات ایک معرین گئے ہیں اور مضاد رو ماخذ کی کیا بی کے باعث تصوف پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور تنقید و جرح کے تار پانے بڑھائے جا رہے ہیں آپ کی کرامات کے بارے بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں لیکن بوجہ خوف طوالت صرف آپ کی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سکھوں کے پھندے میں آپ کے مزار کے نزدیک اور چوک وزیر خاں کے گرد و نواح میں اکثر لوگوں نے نئے مکانات تعمیر کرائے تھے جس کی وجہ خانقاہ حضرت سید صوف رح اور مسجد وزیر خاں کی نمائش و خوبصورتی میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔ اس بنا پر ۱۸۵۰ء میں چوک وزیر خاں کے اندرونی مکانات سرکاری حکم سے گرا دیئے گئے اور چوک کو پھر ایک وسیع میدان بنا دیا گیا۔ ان دنوں ضلع لاہور کا ڈپٹی کمشنر میجر میکہ تھا جو مزار حضرت سید صوف رح کو چوک کے خوبصورت ہونے میں ایک دھبہ اور رکاوٹ خیال کرتا تھا اور اسے منہدم کرانا چاہا بقول بعض بزرگان شہر لاہور ڈپٹی کمشنر خود ہی اتنا ہیبت زدہ ہوا کہ اس نے اس ناپاک ارادہ کو ترک کر دیا اور حضرت سید صوف رح کا مزار گرنے سے بچ گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری "مد لقیۃ الاولیاء" میں رقم طراز ہیں "اکثر یہ بات مشہور ہے کہ کوئی شخص چالیس روز برابر اس مزار پر آنے نہیں پایا سوائے اس شخص کے کہ اس کے دل کی مراد کا حاصل ہونا تقدیر بانی میں ہو اور جو شخص محسروم ازلی ہو تب ہی اس کو چلنے کے اندر ہی ایسی دہشت دکھائی دیتی ہے کہ پھر وہ اس مزار پر نہیں جاتا"

بلا تردید یہ بات بیان کہی جاسکتی ہے کہ صوفیائے عظام جس طرح زندگی میں لوگوں کو اپنے علمی روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہے ہیں اسی طرح ان کی حلت کے بعد بھی ان کا فیض جاری و ساری رہتا ہے اور یہ فیض روحانی طور پر پہنچتا ہے۔ مزار حضرت سید صوف رح نہایت پرفیض و بارعب ہے۔ نسبت کی تیزی، جذب کا غلبہ اور جلالیت مزار پر واضح طور پر نمایاں ہے۔

## ۳۔ وصال حضرت سید صوف لاہوری

تاناری، منگول، مغل شمالی سرحد ہندوستان عبور کر کے پنجاب میں آکر لوٹے مار  
 کیا کرتے تھے اور ان کی لوٹ مار و غارت گری کا سلسلہ صدیوں سے چلا آتا تھا۔ کبھی مغلوں  
 کے حملوں کی مصیبت قطعی طور پر ختم ہو جاتی اور مکمل طور پر امن و امان قائم ہو جاتا اور ان علاقوں  
 کے کاشتکار جو مغلوں کی آمد کے راستوں پر واقع تھے اطمینان خاطر کے ساتھ اپنی مرضی  
 کے مطابق زراعت کے کام میں مشغول ہو جاتے۔ کبھی تباہ و برباد ہو جاتے۔ ان لوگوں کا  
 زور زیادہ تہ لاہور اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ شہر دو لقمہ  
 ہونے کے علاوہ اور دیپال پور جاتے ہوئے ان لوگوں کے راہ میں پڑتا تھا اور تعلق  
 دور میں علاقہ دیپال پور کو بہت اہمیت تھی۔ جب دیپال پور کے لوگ ان ظالم  
 حملہ آوروں کی خبر سنتے تو جنگوں میں جا چھپتے تھے لیکن پھر بھی جو کوئی وہاں نظر آنا  
 اسے قتل کر دیتے۔ مکانات کو لوٹ کر نظر آتش کر دیتے تھے۔ یہ ایک طوفان برپا  
 زمانہ تھا جس میں منگولوں کے درندہ صفت لشکروں نے آگ اور خون کے ہولناک  
 مناظر پیش کئے اور تہذیب و تمدن کے صدیوں پرانے مینار و کھڑا کر گر پڑے۔  
 فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں دو ابوابِ قلم نے تاریخیں لکھی ہیں جو تاریخ  
 فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور  
 اس کا دوسرا نام سیرۃ السلاطین بھی ہے جس میں ضیاء الدین عقیف کی تاریخ فیروز شاہی  
 جو یہ تذکرہ عقیف شاہی کے نام سے بھی معروف ہے۔ دونوں مصنفین مذکورہ بالا  
 بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ البتہ ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں یوں  
 رقمطراز ہیں۔

(ترجمہ) سلطان تغلق شاہ جو اس زمانے میں غازی ملک کہلاتا تھا کی  
 شہرت تمام خراسان اور ہندوستان اور اس کے باہر ملکوں میں پھیل گئی۔ قطب الدین  
 کی حکومت کے آخر تک اس نے دیپال پور اور لاہور کے علاقوں میں مغلوں کی آمد کا  
 قدیم سلسلہ اسی طرح بند کر دیا جیسا کہ زمانہ قدیم میں شیرخان نے کر دیا تھا۔ ہر سال وہ  
 اپنے لشکر خاص کے ساتھ دیپال پور سے روانہ ہوتا اور مغلوں کی سرحد تک چلا جاتا۔

وہ کھلم کھلا مغلوں کو مقابلے کے لئے بلاتا لیکن مغلوں کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اپنی سرحد پر گشت کے لئے بھی آتے۔ حال یہ ہو گیا تھا کہ کسی کے دل میں بھی مغلوں کی طرف کوئی تشویش باقی نہ رہی اور ان کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ سلطان علاء الدین نے مغلوں کا مکمل طور پر امتیصال کر دیا اور ان کے حملوں کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ فوجی اور عام زندگی کی ضروریات کی اشیاء کے ارزاں ہو جانے سے لشکر مستحکم ہو گیا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں مغلوں نے پھر ٹوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا جو کچھ ہاتھ لگتا ٹوٹ کر لے جاتے۔ اس فتنہ و فساد اور غارتگری کے اثرات سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر بھی پڑے جو بلوہ کی صورت میں رونما ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی بہادر اور دلیر افواج کی مدد و تعاون سے اس آفت پر جلد قابو پا لیا۔ مغلوں اور مفسدوں کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور امن و امان بحال ہو گیا۔

سلطان نے چند روز کے لئے دیپال پور میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران خداوند عالم حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے اجمودھن گئے۔ شمس الدین عقیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں۔

(ترجمہ) ”بادشاہ بغیر زیارت بزرگان و عاھنسی مزارات کبھی سفر نہیں کیا پیروں اور خانقاہوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا اور پیر پرست تھا۔ اس بیان کے علاوہ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں بیان کرتے ہیں۔

(ترجمہ) ”اس بزرگ خانوادہ (بابا فرید گنج شکر کی اولاد) کو جو کلینتہ اہتر اور پریشان ہو گیا تھا۔ اس کو از سر نو منظم و درست کر دیا۔ اور شیخ علاء الدین کے پوتوں کو خلعت و انعامات عطا فرمائے اور زمینیں اور گاؤں اہلاک کے طور پر ان کے حتیٰ میں مسلم کر دیں۔ اجمودھن کے باشندوں کو صدقات عطا کئے اور جن لوگوں کے متعلق اس نے سنا تھا کہ ان کو نان یا وظیفہ ملتا تھا اس کی تجدید کر دی۔ دیپال پور کے مشہور شہر سے وہی تک ان تمام قصبات میں جو اس جانب واقع تھے لوگوں کے

۱۹ دیکھیں حالات ص ۱۱۹ دیکھیں حالات ص ۱۱۹ تاریخ فیروز شاہی از شمس الدین عقیف ص ۱۲۱



حق میں وظائف اور ادرات کے فرمان جاری کئے اور ہر قصبے میں فقرا و مساکین کو نقدی کی شکل میں صدقات ان کے علاوہ عنایت کئے، سطور بالا کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سلطان فیروز شاہ مشفق و ہربان، حتی شناس و وفادار اور دین اسلام میں پاکیزہ عقیدہ رکھتا تھا۔ اکابر دین اور ان کے خاندان کی عزت و حرمت کرتا تھا۔ رعایا کی خوشحالی، فارغ البالی اور مسودگی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ کثرت حاصل ترقی دولت کا سبب نہیں بلکہ رعایا پروری، باشندگان ملک کی خوشنودی و خوشحالی ترقی دولت کی بنیاد ہے۔

فیروز شاہ تعلق کے عہد حکومت میں شہر دیپال پور کو بہت شہرت اور اہمیت تھی، سلطان نے چند روز دیپال پور میں قیام کیا۔ پھر صدر مقام دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔ اس کے خلاف لاہور کی جانب کوئی توجہ نہ تھی بلکہ ایک دور افتادہ اور پس ماندہ شہر منصور ہوتا تھا اور پھر دہلی دار الخلافہ ہو جانے سے لاہور کی رونق ماند پڑ گئی۔ اہل لاہور ہمیشہ مغلوں کے حملہ سے ہراساں رہتے تھے۔ جب کبھی انکی آمد کے بارے میں کوئی خبر پاتے تو ان کے جگر کانپنے لگ جاتے تھے۔ کون جانتا ہے کہ اس ہول میں کون زندہ رہے گا یا نہیں رہے گا۔ لوگ حتی طور پر بد دل اور بالوس ہو چکے تھے مگر اس دور میں علماء فضلا صلحاء، اہل دل، اہل درد، اہل قلم اور اہل سیف بھی تھے۔ جب مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہوتی نظر آتی تو شمالی جہاد ہو جاتے تھے۔ دین اسلام کی حرمت اور مسلمانوں کے جان و مال اور آبرو بچانے کا وقت آتا تھا پناہوں پہلنے کے لئے تیار ہو جاتے اور جہاد بالسیف سے کبھی دریغ نہ کرتے۔ حضرت سید صوف لاہوری اس خطرناک موقع پر جس نے بلوہ کی صورت اختیار کر لی تھی حق کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اور راہ خدا میں شہید ہوئے یہ اسلام کا آفتاب جہاں تاب ہو بستی لاہور میں تاباں تھا۔ جس کی سعی جمیل سے علمی و روحانی اور اسلامی تحریکات کا بھی آغاز ہوا تھا اور علمی و دینی مراکز بھی وجود میں آئے تھے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ مگر سچے سرمایہ کا وہ سرچشمہ چھوڑ گئے جس سے ہماری نسلیں سیراب ہوتی ہیں اور یہ چشمہ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور فیوض و برکات سے اہل اسلام کو مالا مال کر رہا ہے۔

مگر افسوس تاریخ کے ادراک ان واقعات کو محفوظ و مامون نہیں کر سکے۔ اب صرف چند یادداشتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت سید اسحاق گزرونی کے علمی اور دینی مراکز موجودہ چوک وزیرخان اور اس کے گرد و نواح میں قائم ہوئے تھے ان کی نگہداشت کرتے رہے اور ان کو فروغ دیا۔

## ۲۔ تاریخ وفات

معروف و مقبول قول کے مطابق آپ نے ۸۶ھ میں شہادت پائی۔ اور مزار کے موجودہ کتبہ پر بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہوئی ہے۔ حضرت سید صوف لاہوری کی تاریخ وفات کی طرح تاریخ ولادت بھی ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ نویسوں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا محال ہے مذکورہ تاریخ وفات کیسے متعین ہوئی۔ مصادر و ماخذ کی کمی کے باعث اس سوال کا جواب معلوم کرنا مشکل ہے کچھ مستند ماخذ مل جانے سے یہ الجھن بھی رفع ہو سکتی ہے۔

سب سے قدیم تذکرہ "فحات الانس" مرتبہ نور الدین جامی کا ہے جو ۸۳ھ/۱۴۶۸ء میں مکمل ہوا۔ پھر مشہور و معروف تذکرہ "تاریخات عین الحیات" جسے ملا حسین واعظ کاشفیؒ نے سولہ سال گزرنے کے بعد ۹۰۹ھ/۶۱۵۰۳ء میں از سر نو دوبارہ ترتیب دیا آپ کے بارے میں مکمل خاموشی ہے۔ گلزار ابرار، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ، تاریخ فیروز شاہی، ایلین اکبری (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) اور اس کے ۵ سال بعد مرتب ہونے والا تذکرہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بختی، عبدالحق محدث دہلی رح کی اخبار الاجبار پھر شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء جس میں اس نے بزرگان دین کے حالات، پیدائش، تعلیم و تربیت، آداب و طریقت اور وفات کی تاریخیں درج کرنے کا بڑا خیال رکھا ہے۔ اس ضمن میں سب نے سکوت اختیار کیا ہے اور آپ کی تاریخ پیدائش، وفات اور خرقة خلافت حاصل کرنے کے بارے کوئی نشانہ ہی نہیں ہوتی۔ البتہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بختی میں حضرت سید اسحاق گزرونی رح لاہوری کا ذکر اور گرد و نواح کے علاقہ کے حالات ملتے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ تذکرہ ابھی تک حکومت ایران طبع نہ کر سکی، معارضہ الولاہیت جو عبداللہ خوشکی قسوری کی تصنیف ہے جس میں تقریباً

چار سو چھپن (۲۵۶) پاک و ہند کے مشائخ کے حالات و ریح ہیں اور سن ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء میں مکمل ہوئی۔ اس قلمی نسخہ کے ادراک حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری اور حضرت سید صوف لاہوری کے حالات و واقعات سے نا آشنا ہیں الغرض جب تک کوئی ٹھوس ثبوت دستیاب نہیں ہوتا تب تک حضرت سید صوف لاہوری کی تاریخ ولادت، وطن اور وفات کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

مناخبر تذکرہ نویس مفتی غلام سرور لاہوری کی تالیف حدیقتہ الاولیاء عربی پنجاب بالخصوص لاہور کے صوفیائے کرام کے حالات شامل کئے ہیں ان میں لکھا ہے کہ "اس بزرگ کا مزار خاص لاہور میں میدان چوک روبروئے دروازہ مسجد وزیرخان سے مکان نہایت پرفیض و بارعب ہے۔ پہلے حضرت کے مرقد مقدس چار دیواری کے اندر تھے۔ اب محمد سلطان نے ٹھیکیدار نے اس پر خوبصورت گنبد بنوایا ہے۔ مزید تحریر کرتے ہیں اگرچہ درست احوال اس بزرگ کے ثابت نہیں ہوتے کہ یہ حضرت کب اور کس زمانے میں آئے مگر رسالہ تحفۃ الاولیاء ص ۱۰۰ سے اتنا پایا جاتا ہے کہ یہ بزرگ ہمعصر حضرت میراں بادشاہ کا تھا۔ اگر ان بیانات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو آپ کی ولادت و وفات اٹھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی اور یہ امر مسلم ہے کہ آپ فارس کی سیما سیما بدامنی کے باعث بدول ہو کر نوجوانی کے عالم میں وہاں سے نکلے ہوں گے۔ اور فیروز شاہ تغلق کے پرامن دور میں حضرت سید اسحاق گازرونی کے ہمراہ لاہور تشریف لائے ہوں گے۔

## ۵۔ مزار حضرت سید صوف لاہوری

آپ کا مزار چوک وزیرخان کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ مرقد مقدس کے باہر احاطہ مزار میں 'برنے' کا وہ درخت بھی اب تک موجود ہے جس کا حوالہ مولوی نور احمد چشتی نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کتاب تحقیقات چشتی میں دیا تھا۔ 'برنے' کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جس میں مجاور کی رہائش تھی اس مقام پر اب ایک کھلا برآمدہ تعمیر ہے اس برآمدہ کے پاس ہی ایک چھوٹا صحن ہے جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ احاطہ مزار ایک چھوٹے سے جنگل سے گھیرا ہوا ہے۔ احاطہ مزار کے باہر لیکن ملحق ایک کنواں غسل خانہ اور سقاوہ بھی تھا۔

داری تھا مگر اب کنواں سقادہ وغیرہ قائم نہیں۔ کنواں کی بجائے کارپوریشن کے نل سے  
 لیا جاتا ہے۔ رائے بہادر کنھیالال تاریخ لاہور میں بیان کرتے ہیں ”چاہ و مسجد خرد و  
 تیر کے رہنے کا ایک حجرہ بنا ہوا تھا۔ سکھوں کے وقت لوگوں کی آمد و رفت اس مزار  
 پر بھی ہوتی تھی یہ رائے بہادر کنھیالال کے مذکورہ بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے  
 کہ اس مقام پر ایک قدیم مسجد خرد بھی تھی جس کا اب بالکل نشان نہیں۔ ”تحقیقات چشتی“  
 کے حوالہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۱ء سے پہلے مزار پر گنبد نہیں تھا۔ ابتداء میں آپ  
 کی قبر خام اور ایک چبوترے پر بنی ہوئی تھی اور اس کے گرد چار دیواری تھی۔ بعد ازاں  
 شیخ محمد سلطان ٹھیکیدار مرحوم نے ۱۲۶۸ھ / ۱۸۶۲ء میں گنبد تعمیر کروایا اور احاطہ مقبرہ کی  
 تعمیر از سر نو ہوئی۔ اس گنبد کی تعمیر سے مزار کی رونق بڑھ گئی اور چوک کی زینت دو چند  
 ہو گئی۔

اس مزار کے جانب جنوب ایک ریل سنگ مرمر کی نصب ہے جس میں یہ عبارت  
 بخط نسخ سیاہی کے حروف سے کندہ ہے ”بصوابدید صاحب عالی مناقب میجر چارج  
 میجر یگر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور مقبرہ متبرکہ حضرت سید موصوف قدس سرہ  
 تعمیر کرد و شیخ سلطان ٹھیکیدار سرکار فیض انارکینی انگریز بہادر و ام اقبالہ ما سن ۱۸۶۲ء  
 باتمام رسید سن ۱۲۶۸ھ سمت ۱۹۱۸ء۔“ اب نئی تعمیرات کے باعث یہ سنگ مرمر کی ریل  
 نظر نہیں آتی۔

مزار اقدس کا دروازہ جنوب کی جانب ہے اور اس کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پر یہ

تخریر ثبت ہے۔

ص ۱۶۹ لہ ص ۱۰۰۸ لہ آپ کا اسم گرامی سید موصوف ہے مگر یہ مقبرہ  
 حضرت سید موصوف کے نام سے معروف ہے مگر بعض تذکروں میں آپ کا نام  
 حضرت سید موصوف رح بھی پایا جاتا ہے۔ درست اسم گرامی سید موصوف ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

روضہ اقدس سلطان العارفين زید قواکابین منظور بارگاہ ایندو حضرت سید صوف فیض بخش عظیم الوار اللہ مرقدہ در عہد بادشاہ ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق، اس عبارت کے علاوہ حضرت کے لوح مزار پر درج ذیل عبارت کے ساتھ یہ اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں۔

”شیخ المشائخ حضرت پیر سنی سید صوف فیض بخش  
رحمۃ اللہ علیہ الحسنى سہروردی سنہ وصال ۷۸۶ھ“

### اشعار

کس دل زندہ کی ہے یہ تربت عظمت نشان  
خاک جس کی پوٹنے کو جھک رہا ہے آسمان  
فیض بخش گنج وحدت مرشد فرخ جبین

صوفیئے صافی نہاد و رہبر دنیا و دین

غازہ روئے شہادت زینت قوم و وطن  
سرفروش و غازی و تہاد کش مر حب فگن

سرخرو ہو کر جہاد فی سبیل اللہ سے

مرد مومن لے رہا ہے خواب شیریں کے مزے

مذکورہ بالا عبارت اور اشعار سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ سادات عظام

سے ہیں اور حسنی سید ہیں آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسن رضی

سے جا ملتا ہے۔ آپ سلسلہ سہروردی سے منسلک تھے اور اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ ۷۸۶ھ

میں شہادت پائی یہ عہد سلطان فیروز شاہ تغلق کا تھا۔

آپ کے مزار اقدس پر میاں محمد سلطان ٹھیکیدار جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا

چکا ہے ایک خوشنما گنبد تعمیر کروایا اور قبر کا تعویذ نیا لگوایا۔ یزید صوفیہ حضرت سید صوفی

کے بعض اراکین بیان کرتے ہیں کہ نئے تعویذ کی عبارت وہی ہے جو قدیم تعویذ پر تھی۔ صرف

چند اشعار کا اضافہ تصویر کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سید صوف کا مزار صدیوں سے مرجح خلائق ہے۔ چند رجحان برہمن چہار چن میں بیان کرتے ہیں کہ یہ مقام چتر رون اور تجارت کا اہم مرکز تھا۔ جمعہ کے روز یہاں لوگوں کا بے پناہ ہجوم نظر آتا تھا۔ عوام میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ، سکھی عہد میں ایک رسم تھی کہ رات کے میدان میں سکھ، ہندو اور مسلمان کثرت سے شریک ہوتے تھے اور اس چوک کے میدان میں آتش بازی چھوڑا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دور دور سے ماہر آتش باز بھی حاضری دیتے تھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عزت و احترام اور فضیلت کی دستار پاتے پھر رخصت کئے جاتے تھے مگر آجکل یہ رسم نہیں ہے۔

عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے مزار پر حاضری دیتی ہے۔ آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ عرس مبارک کی تاریخ ۱۶-۱۷ ماہ رجب المرجب مقرر ہے۔ روضہ مبارک پر قرآن پاک کی تلاوت، نعت خوانی اور دو دو سلام پیش کیا جاتا ہے۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر زنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے اور دربار بقعہ لود بنا ہوتا ہے اور مقبرہ کا اندرونی حصہ زیبائش و آرائش سے مزین ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں اس مزار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اب یہ مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ آجکل محکمہ اوقاف کے تعاون اور خیر حضرات کی اعانت سے مزار کی توسیع اور آرائش کا سلسلہ شروع ہے ان تعمیرات کے بعد آپ کا مزار مبارک گذشتہ ایام سے بالکل مختلف دکھائی دے گا۔

عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ حضرت پیر بلخیؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ مگر یہ قول غیر صحیح ہے آپ کا اسم گرامی حسن تھا اور کنیت ابوالمحامد۔ والد بزرگوار کا نام محمد الحسین ابو بکر تھا۔ آپ ۵۹۸ھ / ۱۲۰۱ء میں لاہور تشریف لائے اور یہاں ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء میں شہید ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شمالی سرحد کے لٹیروں نے لوٹ مار اور زور و دولت کی ہوس میں لاہور پر حملہ کیا تھا اور آپ بھی ان کے خلاف شکر اسلام میں شامل تھے۔ اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کا مقبرہ مدلی دروازہ سے سہری مسجد کو جاتے ہوئے راستے میں کشمیری بازار میں بائیں جانب آتا ہے۔

لحہ قلمی نسخہ ۲۱ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) سہ صدیقۃ الاولیاء ص ۱۶۸

لاہور کے عجائب گھر میں ایک عربی کتبہ موجود ہے جس پر کوئی دستخطی خط میں لکھا ہے جس میں آپ کی تاریخ وفات یوں درج ہے :-

”ہذا مقبرة الشهيد الشيخ ابوالمحمدا الحسن ابن محمد الحسين ابو بكر الذكري  
البلخني رحمة الله عليه وقد عاش ثمانين وتسعين (۹۸) سنة وفات في يوم  
الجمعة التاسع من ذي الحجة وهي يوم عرفه من ثلثة واربعين وستائنة“

(ترجمہ) یہ مقبرہ شیخ ابوالمحمدا الحسن بن محمد الحسين ابو بكر الذكري بلخنی  
کا ہے تحقیق وہ سن ۵۹۸ھ (۹۸ فی الاصل) میں زندہ تھے اور ۶۳۳ھ  
میں جمعہ کے دن ۹ ذی الحجہ کو عرفہ کا دن تھا شہید ہوئے۔

سن ۶۳۹ھ / دسمبر ۱۲۴۱ء مغلوں کے سپہ سالار طاہر کے لشکر کے ہاتھوں شہر  
لاہور اس طرح تباہ و برباد ہوا کہ نہ تو کوئی ذی نفس زندہ بچا اور نہ کوئی عمارت محفوظ  
رہی شہر کو بھی نذر آتش کیا گیا اس واقعہ کے تیس سال بعد سلطان غیاث الدین بلبن  
نے اس ویرانے شہر کو زرخیز صرف کردہ کے دوبارہ آباد کیا۔

مذکورہ سنیوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت سید بلخنیؒ حضرت سید صوف  
لاہوریؒ کے ہم عصر نہیں کیونکہ حضرت سید صوفؒ لاہوری نے اٹھویں صدی ہجری  
میں شہادت پائی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کے عرس کی ابتداء کس نے کی  
اور کب ہوئی لیکن آپ کا عرس صدیوں سے منایا جا رہا ہے۔ کون قلب کے ساتھ  
عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد آپ کی درگاہ عالیہ پر حاضری دیتی ہے۔

تصوف کے اس انقلاب انگیز فکری و علمی اور روحانی تحریک کو لاہور میں  
پھیلانے اور عام کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ان بزرگانِ طریقت کا ہے جنہوں نے  
ایک ایسے دور میں اشاعت دین اسلام کو فروغ دیا جبکہ شمالی ہند (خط شمالی پنجاب)  
بیرونی حملوں کی بلخار کا بہت بڑا ہدف بنا ہوا تھا اور ہر طرف ہوا و ہوس کے  
جذبات خاص کر مغلوں کے عام تھے۔ اس پیرا شوبہ دور میں ان صوفیائے کرام کی خدمات  
بڑی مفید، کارآمد اور دور رس اثرات و نتائج کی حامل ثابت ہوئیں ان بزرگانِ دین

لے ماثر لاہور جز اول ص ۱۶۲، ۱۹۵ تا ۲۰۱

کا کام صرف بندگانِ خدا کی اصلاح تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ دو گونہ فرائض کی انجام دہی میں بھگتنِ مصروف رہتے تھے۔ ایک طرف روحانی محاذ پر اپنے علمی و عملی فیضان سے سیراب کیا اور دوسری جانب جہاں مسلمان کمزور اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے وہاں خود جہاد فی سبیل اللہ کی رسم و راہ پیگیری کو از سر نو زندہ کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت سید صوفیؒ لاہوری کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اس زمانہ کے بزرگوں کے حالات اب جکل نایاب ہیں۔ صرف تذکرہ ثمرات القدس جو عہدِ اکبر بادشاہ کی تالیف ہے، کے مطالعہ سے آتنا پتہ چلتا ہے کہ موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا حصہ ایک میدانِ کارزار تھا جس میں بہت سے بزرگوں، علماء، صلحاء اور شہداء کے مقبرے اور قبریں تھیں جو زمانہ کے ساتھ تباہ و برباد ہوتی گئیں۔ راقم کی تحقیق کے مطابق موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ایک اہم روحانی و علمی اور دینی مرکز تھا اور ان ہی بوریہ نشینوں نے اشاعتِ علم دین کے لئے درس جاری کئے۔ تعلیم مفت دی اور ان ہی درس گاہوں سے پھر بڑے بڑے فلسفی، علامہ، منطقی، فقیہ، محدث، شاعر اور حریت نواز حق گو اہل علم پیدا ہوئے جو فخر البلاغ بنے اور علم و ہنر کی جو مشعلیں روشن کیں۔ ان سے قوم کے بچھے ہوئے چسراغ صدیوں تک روشنی حاصل کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ یہ سارا علاقہ ”گنڈرٹھ“ کے نام سے مشہور تھا اور اسی نام سے خاص کر مغل حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں شہرت پائی۔

## ۶۔ خانقاہ حضرت سید صوفی اور سید فضل شاہؒ

مقبرہ حضرت سید صوفیؒ کے جانبِ شمال ایک چاہ نظر آتا ہے جس کو راجہ دینا ناٹھ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس چاہ پر ایک پہاڑی نما گنبد تعمیر ہے جو اب تک قائم ہے۔ اس گنبد کا رنگ سفید، ہشت پہلو، چاروں اطراف چار درخزابی ہیں اس گنبد کی حالت اب جکل بہت خستہ و شکستہ ہے اور قابلِ مرمت ہے۔ چاہ اور اس کے تین محرابی دریاں کل بند کر دیئے گئے ہیں۔ گنبد چمگادڑوں اور زمین مسکینوں اور غریبوں کا مسکن ہے دیوار چاہ میں ایک سیل سنگ مرمر کی نسبت ہے اس میں ذیل عبارت تحریر ہے۔



اُگرت و ایالت دست گاہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانت دار مشیر خاص  
مدار المہام راجہ دینا ناتھ، راجہ کلانور بصواید صاحب عالی مناقب میجر جارج میکر کرج صاحب  
بہادر و ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور تیاری عمارت چاہ ہذا در سمت ۱۹۰۸ مطابق ۱۸۵۱ء بمصر  
بزر خود نمود۔

احاطہ چوک وزیر خاں کے جانب شمال عیالی راجہ دینا ناتھ واقع ہے جو ایک پیرانی  
پاؤں کی یادگار ہے اس کے پاس درگاہ حضرت سید صوفی کے نزدیک ایک مجذوب  
جس کا نام سید فضل شاہ تھا نے سکونت اختیار کر لی اور اخذ فیض ہوئے۔ آپ علاوہ  
علوم شرعیہ کے قسبان شریف بھی بہت عمدہ جانتے تھے اور خوشنویس بھی تھے۔ لوگوں نے  
تعلق اس سے آپ کو "محلہ و پائین کٹوں" کی مسجد کا امام مقرر کر دیا۔ ایک روز آپ مسجد میں  
حج کی نماز پڑھا رہے تھے کہ مسجد میں بہت دیر تک ہے اور تہ بند اٹھا کر سر پر اوڑھ لیا۔  
مقتدی یہ حال دیکھ کر حیران ہو گئے اور آپ نے اسی روز تمام علانی و عوانی و نیوی منقطع کر دیئے  
اور آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ شریعت کا پاس اٹھا کیا۔ ستر پوشی کی قید بھی جاتی رہی۔ اور  
بہشت نادر زاد پھر نے لگے۔ پھر آپ کا یہ طریقہ ہو گیا کہ ہمیشہ بازاروں میں پھرتے اور شام کو  
لوہاری منڈی میں بوہڑ والی مسجد کے سامنے ایک دکان کے چوڑے پر بیٹھ جاتے پھر اس  
نشست کو بھی ترک کر کے ہمیشہ کے لئے چوک وزیر خاں نزد درگاہ حضرت سید صوفی رح میں  
تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے اقامت پذیر ہو گئے۔

راجہ دینا ناتھ ایک بڑے باخدا، صلح کل اور فیاض آدمی تھے۔ خزانے سے بہت محبت اور  
عقیدت رکھتے تھے۔ ابتدا میں ایک چھوٹے سے عہدہ پر ہمارا رنجیت سنگھ کے دربار میں ملازم  
تھے۔ ایک روز راجہ نے شاہ صاحب رح کی خدمت میں ترقی منصب کے لئے التماس کی۔  
آپ نے ایک "موندھا" جو گئے کے چھلکے سے بنایا جاتا ہے اٹھا کر راجہ کے سر پر رکھ دیا۔  
راجہ کو اسی روز دربار سے خلعت اور منصب دیوانی عطا ہوا اور مقرب بارگاہ سلطانی ہوئے۔  
راجہ کی اس خوش افتادی کو دیکھ کر ہمارا رنجیت سنگھ اور دیگر ارکان دولت مثلاً نواب شیخ  
امام الدین صوبہ وار کشمیر، فقیر عزیز الدین و فقیر نور الدین خاص کر اور وزیر اور ہمارا راجہ تھیا سنگھ

۱۱۰ دیکھیں حالات ۱۱۱ لے دیکھیں حالات ۱۱۱ اس محلہ کا اصل موجودہ

شاہ عالمی دروازہ اور لوہاری دروازہ کے درمیان حصہ تعین کیا جاتا ہے۔

کانڈرائچیف (Commander-in-Chief) سردار لال سنگھ صاحب نوشیخانہ اور دیگر امراء کی توجہ اس جانب ہو گئی اور خالقاہ حضرت سید صوفیہ ایک روحانی مرکز بن گیا اور جب تک سید فضل شاہ صاحب زندہ رہے۔ راجہ دینا ناتھ و دیگر امراء نہایت خوش اعتمادی کے ساتھ دونوں وقت کا کھانا اور ماہواری رسد و ملبوسات و زر نقد سے تواضع کرتے رہے۔ راجہ صاحب کا یہاں انتقاد تھا کہ تین والوں کی ایک چوکی مقرر کر رکھی تھی جو ہر روز علی الصبح شاہ صاحب کو گانا سناہا کرتے تھے اور ایک منشی ملک جیون نام کا مقرر کر رکھا تھا جو شاہ صاحب کے روزانہ حالات و ارشادات روزنامہ میں درج کر کے تمام کو راجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ان سب کی تنخواہ راجہ صاحب کے خزانہ سے ملتی تھی۔ میاں جیون قوم ملک اور شہر جالندھر کا باشندہ تھا۔ اس کے علاوہ میاں مقیم لوبار جس کی رہائش چوک وزیر خاں میں تھی آپ کا خدمت گار تھا، یہ سب حضرت سید صوفیہ کے فیضان کا اثر تھا جن کی بدولت سید فضل شاہ صاحب مست سرشار اور صاحب جذب ہوئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مجذوبانِ واصل اور مجذوبانِ سکارای میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ پابندِ شریعت ہوتے ہیں اور سکر کی حالت میں رہتے ہیں مگر فیضِ باطنی دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ مجذوبانِ واصل کا فیض مرید کو سالک رکھتا ہے اور سکارای کا فیض مرید کو سکارای بنا دیتا ہے اور خوراق و کرامات بھی دونوں سے ظہور میں آتے ہیں۔ بہر حال دونوں گروہوں کا رتبہ نہایت ہی جلیل القدر ہے۔

درگاہ حضرت سید صوفیہ پر ہزاروں طالبانِ ہدایت کا سہ گدائی لے کر درپوزہ گری کر رہے ہیں اور نورِ علم و معرفت سے اپنے کشکول بھر لوہ کر کے واپس جا رہے ہیں لیکن اس درس گاہ سے کوئی شخص تشنہ کام واپس نہیں لوٹا۔ مگر ان میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن پر آپ کی نظرِ عنایت ہوئی اور وہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ لیکن بوجہ خوفِ طوالت ان کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ دورِ حاضرہ کے ایک اہم بزرگ صوفی دین محمد رح قابل ذکر ہیں جنہوں نے آپ کے آستانہ عالیہ پر تیار کیا اور فیضیاب ہوئے۔ آپ خلیفہ مظفر علی خاں رح کے مرید تھے اور سلسلہ نقشبندیہ تو کلیہ سے

سہ اسرار التصوف ص ۸۴، لائہ کنہیا لال تاریخ لاہور ص (۳۴۱) میں ملک جیون کی بجائے جیون داس منشی لکھا ہے۔ جو غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور تصدیق نہیں ہو سکتی۔

منسلک تھے۔ عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ یہ دونوں بزرگ اب اس دنیا سے انتقال کر چکے ہیں۔

دورِ حاضرہ کی سب سے بڑی حرماں نصیبی یہ ہے کہ ذوقِ روحانیت ناپید ہونا جا رہا ہے اور جب تک انسان میں روحانی اقدار کی طالب و جستجو پیدا نہیں ہوگی وہ مادہ پرستی ترک نہیں کر سکتا اور یہ مادہ پرستی اولادِ آدم کی نامراد و کم نصیبی کی وجہ حقیقی ہے۔ بقول حضرت جنید بغدادیؒ مشائخِ کرام کی حکایات و حالات و لوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے شکروں میں سے ایک شکر ہے، حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کشف المحجوب“ میں ذکر کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کی مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ زمین کی پیداوار ان کے احوال کی صفائی سے ہوتی ہے اور ولی ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور اللہ کے جملہ احکام کا پابند ہوتا ہے۔ یہ اکابر دینِ حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے عملاً علمبردار تھے۔ جنہوں نے خدمتِ خلق اور تعمیرِ انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دعوت و ارشاد کا عظیم کارنامہ انجام دیا جس سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے۔ یہ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغین تھے جن کو ہم صوفیائے کرام یا ”ولیاء اللہ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان ہی اکابر دین کی جہر و وفا، محبت و رغبت اور خیر و روز کی جدوجہد تے ظلمت کو نور اور اسلام سے منور کیا اور ان بزرگانِ دین کی تبلیغ و اشاعت پر تاریخِ اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

اگرچہ یہ تذکرہ مائل بہ اختصار ہے لیکن طالبانِ راہِ طریقت اس مختصر جائزہ سے بھی اسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور مزید تحقیق کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اور اپنے وسیع علم و فضل کی بدولت ایک عالی شان اور فلک بوس عمارت تیار کر سکتے ہیں۔

ماقصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم

ما بجز حکایتِ جہر و وفا میرس

(حافظ شیرازی)

# حالات

(۱) حضرت امیر خسرو چشتی دہلوی <sup>رح</sup> اسم مبارک ابوالحسن تھا۔ والد ماجد کا اسم گرامی امیر سیف الدین اور نانا کا نام و الملک تھا۔ تخلص خسرو تھا۔ ۱۲۵۳ء میں قصبہ پٹیالی ضلع ریٹھ میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ نے مروّجہ علوم کی تکمیل کر لی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ آپ کے والد امر لٹے بلخ سے تھے اور چنگیز خاں کا فتنہ شروع ہونے کے قریب ہندوستان آگئے اور آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

فرشتہ مزید بیان کرتا ہے کہ آپ نے چالیس سال صائم الدہری میں بسر کئے۔ آپ ہر شب نماز تہجد میں سات سیپارہ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ شاہزادی جہاں آرا بیگم دختر شاہ جہاں نے اپنی کتاب "مونس الارواح" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ <sup>رح</sup> نے آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تم سے تنگ نہیں ہوتا۔

آپ بڑے صوفی اور شاعر بھی تھے۔ ہندوستانی موسیقی سے والہانہ رگا رکھتے تھے۔ انہوں نے بے شمار رگ پیدا کئے۔ آپ کی شاعری اور دل میں عشق الہی کی ایسی تڑپ تھی کہ حضرت محبوب الہی <sup>رح</sup> فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے ہو تو میں کہوں گا کہ خسرو کا سوز سینہ،

آپ کی تصانیف کی تعداد تینانوے (۹۹) ہے تعداد اشعار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ ہندی زبان میں بے شمار کلام ہے۔ قرآن السعدین آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ خزائن الفسوح، مثنوی نہ سپہر، تعلق نامہ خالق باری، مثنوی مطلع الانوار،

مثنوی لبالی جنوں، رسائل الاعجاز، قصہ چار درویش، مثنوی شیریں خسرو، مثنوی ائینہ سکندری  
یا سکندر نامہ، مثنوی بہشت بہشت، جواہر الجبر، راحت العجبین، افضل الفوائد قابل  
ستائش ہیں۔

آپ نے ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۵ء میں بعمر ۸۴ سال وفات پائی۔ اور اپنے پیرومرشد کے  
جوار میں دفن ہوئے۔ (ماخذ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۳۹، آثار الصادق ص ۲۵ مونس الارواح  
(قلمی) تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم، ہزم صوفیہ از مصباح الدین عبدالرحمان، تاریخ مشائخ چشت  
از پروفیسر خلیق احمد نظامی (ایم۔ اے)

(۲) **ابورحمان محمد بن احمد البیرونی** (۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء) مشہور مسلمان ماہر طبیعیات  
وفلکیات، تحقیق و مورخ، فارسی سنسکرت

عبرانی اور کئی دیگر زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار کی زینت تھے۔  
آپ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں "بیرون" میں ۳۶۲ھ / ۹۷۳ء میں پیدا ہوئے اور اسی  
نسبت سے البیرونی مشہور ہوئے۔ بیس برس تک اپنے وطن میں رہے پھر کئی سال شمس المعالی  
والے جرجان و طبرستان کے دربار سے وابستہ رہے۔ ۸۷ سال کی عمر میں ۱۱۴۳ سے زیادہ علمی  
کتابیں لکھنے کے بعد ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ "قانون مسعودی" جو علم ہیئت پر ہے۔  
آپ کی بلند پایہ تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الہند، آثار الباقیہ اور  
القرآن الخالیہ بہت مقبول و معروف ہیں۔ "کتاب الہند" میں ہندوؤں کے متعلق  
مکمل کوائف ملتے ہیں۔ اس کتاب میں ہندوستان کے مذہب، فلسفہ، آداب، جغرافیہ  
ہیئت، ہوش، رسم و رواج اور قوانین کا بیان ہے۔ آپ نے زمین کو اپنے محور کے گرد  
گردش کے بارے میں وضاحت کی اور مختلف مقامات کا صحیح طول بلد اور عرض بلد دریافت  
کیا، بہت سی تاریخ الحکما میں بیان کرتے ہیں کہ البیرونی نے چالیس سال سے زیادہ تحصیل علوم  
میں صرف کئے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اس کا بوجھ علی سینا سے اکثر  
مناظرہ ہوتا تھا۔ البیرونی سب سے پہلا مسلمان محقق ہے جس نے ہندی علوم کا مطالعہ خود  
اس پر صغیر میں کیا اور ہندی علوم کی مشہور کتابیں یہاں رہ کر ہندوؤں کی مدد سے پڑھیں۔  
عالم اسلام اور ہندو پاکستان کے علمی و ثقافتی روابط کے ابتدائی دور میں البیرونی نے نمایاں  
حصہ لیا۔ اور اس دور کا بہت بڑا عالم تھا۔

(۳) مفتی تاجدین بزرگ مفتی تاجدین بن مفتی امام دین بن قاضی نظام الدین تھے۔ جنہوں نے ۱۸۶۷ء میں جان کلارک ڈپٹی کمشنر لاہور کے حکم سے ضلع لاہور کے حالات قلم بند کرنے شروع کئے۔ آپ کے والدین سوہدرہ (سپالکوٹ) کے رہنے والے تھے۔ لاہور شریف لائے اور اورنگزیب کے عہد میں بعدہ قضاہی لاہور و دہلی سرفراز ہوئے اور خانی کا خطاب پایا۔ دس ہزار روپیہ جاگیر اور حساب پانچ روپے فی صد ہر ایک قبیلہ بیع و رہن و ہبہ و تملیک وغیرہ مقرر تھا۔ سکھوں کے عہد میں کوئی جاگیر اس گھرانے کے پاس نہ رہی مگر لقب اور عہدہ برقرار رہا۔ دیوان امرناٹھنے ظفر نامہ رجحیت سنگھ (طبع لاہور ص ۱۸) پر ابتدائے عہد جہاں رجحیت سنگھ میں قاضی نظام الدین کے قاضی لاہور مقرر ہونے کا حال بیان کیا ہے اسی طرح راجے بہادر کنہیا لال تاریخ لاہور (ص ۵۲) پر خاندان قاضیاں لاہور کے عنوان سے اس گھرانے کے متعدد افراد کا ذکر کیا ہے جن میں مفتی تاجدین بھی شامل ہیں۔ انگریزی عہد میں بجائے ہر قضا خانہ کے صیغہ رجسٹری مقرر ہوا تو اس کا آبائی کام ختم ہو گیا۔

(۴) اوتھ شریف اسلامی علوم اور تہذیب کا پُرانا مرکز ہے جو بہاولپور سے پچاس میل جنوب مغرب میں واقع ہے موجودہ آبادی تقریباً دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ پانچ سو سال قبل از مسیح میں آباد ہوا۔ اسکندر اعظم کے حملے سے قبل یہ ہندو حکمرانوں کے تحت ہندو کا ایک قدیم صوبہ تھا۔ پھر ناصر الدین قباچہ کے وقت یہ شہر سندھ کا دار الخلافہ تھا۔ کنگم صاحب کا خیال ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم نے بسایا تھا۔ سن ۳۷۰ھ میں حضرت صفی الدین گارونی کا زروان سے اوتھ شریف شریف لائے اور اوتھ گیلانی کی بنیاد رکھی۔ صاحب تاریخ فرشتہ اس مقام کا قدیم نام بجا طیبہ تصدیق کرتے ہیں جو قمری حکمرانوں کا ایک بڑا مرکز تھا، آپ کی نگرانی میں اس مقام پر اسلامی علوم کی ایک بہت بڑی درسگاہ قائم کی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ جس میں اڑھائی ہزار کے قریب طلبا ایک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس درسگاہ میں کشمیر، افغانستان، ایران اور عراق سے طلبا تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے درسگاہ کے پہلے نگران مسلمان پادشاہ شہاب الدین غوری تھے۔ اور ان کے بعد سلطان ناصر الدین قباچہ نے اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیئے۔ ناصر الدین قباچہ کو اس جگہ سے اتنی محبت تھی کہ اسے راجدھانی بنالیا اس کے بعد محمد سوم سید جلال الدین بخاری

المثنوی ۸۵ء نے اس جگہ پر کرم قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کے دریا جاری کئے۔ پنجاب اور سندھ میں اس مقام کی بڑی عزت ہے۔ ان بزرگان دین کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔

اس عالیشان مسجد کے بانی حکیم عظیم الدین بن شیخ عبدالطیف بن شیخ

### ۵۔ مسجد وزیر خاں

حسام الدین انصاری تھے جو بعض کتب میں علی الدین اور علم الدین کے نام سے بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ چلیوٹ کے رہنے والے تھے۔ پیشہ طباعت تھا۔ تنگی معاش کے باعث وطن سے نکلے وہلی پہنچے۔ قسمت نے پاوری کی اور دربار شاہجہاں تک رسائی پائی۔ پہلے شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ پھر اپنے ذاتی فضل و کمال کے باعث عمدہ وزارت پر فائز ہوئے۔ لاہور کے صوبیدار بھی رہے۔ شاہجہاں کو سلطنت دلوانے میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ ہنگامہ و پریشانی (ماہین شاہجہاں و جہانگیر کے زمانے میں وہ شاہجہاں کے ساتھ ہے۔ سرکاری دیوان مقرر ہوئے۔ نواب وزیر خاں کو حضرت خواجہ غاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں سے بہت عقیدت تھی۔ آپ کے روضہ کی تعمیر اور نگرانی نواب سعد اللہ خاں کی محبت میں کرتے رہے۔ یہ سب حضرت ایشاں رحمہ کی خاص توجہ اور فیضان کا اثر تھا جن کی دعا و برکت سے آپ کو جلیل القدر مرتبہ نصیب ہوا۔

آپ کو تعمیرات کا بھی شوق تھا۔ شیخ فرید بکری "ذخیرۃ الخوانین" میں لکھتے ہیں "مدت دو اڑدہ سال مستقل در دار السلطنت لاہور بود۔ بسا کار ہائے نیکو کرد کہ اساس و نام آن تاروز قیامت خواہد بود ازاں جملہ مسجد و مدرسہ و حمام و دوازده حویلی و بازار و دکا کین در لاہور بناموود" (ص ۱۶ حصہ سوم لاہور میں جامع مسجد وزیر خاں آپ کی غیر فانی یادگار ہے جو اندرون شہر لاہور واپلی دروازہ میں واقع ہے۔ مسجد کی پیشانی پر سب سے اوپر فارسی رسم الخط میں افضل الذکر لالہن الا اللہ محمد الرسول اللہ علی قلم سے لکھا ہے۔

ایک کتاب پر یہ عبارت منقش ہے "در عهد ابوالمظفر صاحب قرآن ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی اتمام یافت" اور دوسرے کتاب پر لکھا ہے "بانی بیت اللہ ثانی فدوی باخلاص مرید خاص الخاص قدیم الخدمت وزیر خاں" اس کے علاوہ تاریخ تعمیر مسجد وزیر خاں کے بارے چند اشعار درج ہیں جن سے سن تعمیر ۱۰۴۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

تاریخ این بنائے چو پر سیدم از خود  
گفتا بگو کہ بانی مسجد وزیر خاں

سالِ تاریخ بنائے مسجد عالی مقام

از خسرو بستم بگفتا سجدہ گاہِ اہلِ فضل ۱۰۴۲

آپ کو رفتہ عامہ کے کاموں میں بہت دل چسپی تھی۔ لاہور میں مسجد وزیر خاں کے علاوہ حمام، بازار، محلات، مساجد، باغات، بارہ دری اور دکانیں اپنی یادگاریں چھوڑ گیا جن میں بعض اب بھی موجود ہیں۔ آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا جو مدرسہ وزیر خاں کے نام سے مشہور تھا۔ اس مدرسہ کے مشہور و معروف دو استادوں کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے ان میں ایک تو ملا محمد صدیقی تھے جنکے والد ماجد کا نام محمد حنیف بن محمد لطیف تھا اور دوسرے مولانا غلام محمد عرف استاد گاموٹھے۔ مسجد و مدرسہ وزیر خاں کے علاوہ ایک بارہ دری باغ نواب وزیر خاں بھی تھا اس میں کھجوروں کے درخت بکثرت تھے جو نخلیہ وزیر خاں یا نخلستان وزیر خاں کے نام سے مشہور تھا یہ بارہ دری باغ بہت حسین و جمیل تھا۔ اب اس مقام پر ایک کتب خانہ قائم ہے جسے پنجاب پبلک لائبریری کہتے ہیں۔

محمد صلح کبوتر شاہجہاں نامہ (ص ۲۵۴) میں تحریر کرتے ہیں ”وزیر خاں نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں لاہور کے اکثر باشندوں سے نامناسب سلوک کیا تھا۔ اُسکی جگہ معتمد خاں کو یہ خدمت سپرد کی۔“ فرید بھکری ذخیرۃ الخزانین میں رقم طراز ہیں کہ لاہور سے کچھ عرصہ کے لئے قلعہ اکبر آباد ماہور ہو گئے ایک دن وہ شہر سے قلعہ میں داخل ہو رہا تھا اور دروازہ کی جانب جا رہا تھا جب دروازہ ہتھیالوں کے قریب پہنچا تو گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا گھر پڑا حالت خراب ہو گئی اور مر گیا۔ بادشاہ نامہ (ص ۱۱۷ حصہ اول) میں درج ہے کہ بارہویں سال جلوس شاہجہانی کے آخر میں ۵۰-۱۶۴۹ء میں وہ پنجاب کی گورنری سے علیحدہ ہوئے اور اکبر آباد کی صوبیداری پر فائز ہوا۔ ۱۰۵۰ھ میں درویش خاں اسکا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں متضاد بیانات میں فرید بھکری کا بیان زیادہ اہم ہے۔ اور قابلِ قبول ہے کیونکہ وہ امراء کے خواصوں سے تھا۔ نواب وزیر خاں کا لڑکا صلاح خاں تھا جو مدتوں عالمگیری دور میں ”میر تونک“ رہا۔ اُن تیسویں سال جلوس میں اسے انور خاں کا خطاب ملا اور خواصوں کی داروغگی ملی۔ چھتیسویں سال عالمگیری میں فوت ہو گیا۔ نواب وزیر خاں کو کس مقام پر دفن کیا گیا تھا۔ یہ بات ابھی تک ایک معتمد بنی ہوئی ہے اور زیر بحث ہے مگر بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اکبر آباد میں دفن کیا گیا تھا۔ تاریخ لاہور از سید محمد لطیف و رائے بہاؤ



کنہیا لال، مسجد روز پیر خاں از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، تحقیقاتِ چشتی از مولوی نور احمد شاہ پھل  
 نامہ از محمد صالح کببہ ماثر الامراء، ذخیرۃ الخوانین از فرید بھکری، بادشاہ نامہ از ملا حمید لاہوری،  
 اسم گرامی سید خاوند محمود، حضرت ایشاں یا حضرت اُن شانی،  
 (۶) حضرت ایشاں والد کا نام خواجہ میر سید شریف الدین بن خواجہ ضیاء الدین بن خواجہ

میر محمد بن خواجہ علاؤ الدین حنفی بن خواجہ حسین بن خواجہ سید علاؤ الدین عطاری کی اولاد اجماعاً  
 سے تھے اور بہاؤ الدین نقشبند کے خلیفہ اعظم تھے۔ ۹۶۵ھ بمقام بخارا پیدا ہوئے تاریخ  
 اعظمی کشمیر (صفحہ ۱۳۹) میں آپ کی پیدائش کا سن ۹۶۱ھ مرقوم ہے اور تاریخ کبیر کشمیر  
 (صفحہ ۶۲) میں ۹۶۱ھ / ۱۵۶۳ء درج ہے اور آپ کی تاریخ ولادت "۹۶۱" خاشع، سے برآمد  
 ہوتی ہے۔ آپ صوفیانہ ذوق کے باعث تیس سال کی عمر میں ۹۹۴ھ / ۱۵۸۵ء پہلے شہر  
 و خٹس میں جو قتلان کا مشہور شہر ہے تشریف لائے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا پھر بلخ، سمرقند  
 ہرات و قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ اس سن کی روشنی سے آپ کی پیدائش کا  
 سن ۹۶۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ اسحاق دہلی بن محمد دوم اعظم خواجگی کاشانی احمد بن سید  
 جلال الدین کے مرید تھے۔ خواجہ اسحاق کے والد ماجد محمد دوم اعظم کاشان (از توابع فرغانہ) میں پیدا  
 ہوئے۔ آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احسار قدس سرہ کے مرید تھے۔ کاشان سے "دہ بید"  
 میں تشریف لائے اور اسی مقام پر سکونت اختیار کر لی اور ہمیشہ کے لئے مقیم ہو گئے۔  
 حضرت ایشاں ہدایت خلق تبلیغ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف  
 مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکاماتِ الہی اور پیغاماتِ رسول مقبول  
 سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن و حدیث کے مطابق مخلوقِ خدا  
 کی رہنمائی فرماتے۔ آپ دینی نظریات میں کسی قسم کی مفاہمت کے قائل نہ تھے اور حق  
 بات کو بے خوف و خطر کہتے تھے۔ دین کے معاملہ میں قرآن و حدیث کے علاوہ کسی  
 تیسری چیز کو قابلِ حجت نہ جانتے تھے۔ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت آپ کی زندگی کا واحد  
 نصب العین تھا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر جمعہ کے روز شہر کی جامع مسجد میں تشریف لے  
 جاتے اور وعظ فرماتے۔ عوام الناس کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے صحبت یافتہ  
 ارادت مندوں کا ایک طبقہ قائم کرتے تاکہ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد یہ سلسلہ رشد و ہدایت  
 کا جاری رہے۔ آپ بڑے خلیق اور ہمان نواز تھے۔ درویشوں اور مسافروں سے محبت رکھتے تھے۔

اور ان کی خدمت میں کمر بستہ رہتے تھے۔ آپ مرہم دل درد مندال تھے۔ شیخ محمد امین بدخشی ۶  
عارف کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ علماء، فضلا اور صلحا کی زیارت کے لئے  
لاہور شریف لائے۔ حضرت ایشاںؒ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اس ملاقات سے بہت  
متاثر ہوئے اور اپنی تصنیف ”مناقب الحضرات“ (قلمی نسخہ) میں تحریر کرتے ہیں۔

”ور لاہور زیارت صلحاء و مشائخ نمودہ یک ماہ ماندم از خواجہ خان محمود (مراد خواجہ خاوند محمود)  
جذب باو جہر با نیاں دیدم (ورق ۱۰۹ ب حاشیہ) ”تا نیا“ آنکہ در سال ہزار و چہل و ہفتم ہجری  
(۱۰۲۶ھ) بصحبت حضرت خواجہ خاوند محمود علیہ الرحمۃ در لاہور رسیدم عنایتاً بسیار دیدم  
بظاہر آنکہ در اول ملاقات در بغل گرفتند و فرجی (قباء) زمستانی را دوکش خود بر آوردہ  
بر زمین فرکش کردند و فقیر را بر آں نشاندند۔ نان و شربت خاص طلبیدہ بدست خود فقیر راجی  
خوار نیدند۔ صوفیان حاضر تعجب کردند تا حال ایں مہربانی را برکے ندیدیم کہ بریں جوان دیدیم حکمتہ  
چہ ہاشد جذب با باطنی را از عنوان ظاہر قیاس باید کرد کہ تفصیل اشش طولانیست (ورق ۱۱۵  
(۱) حاشیہ بالاعلمی نسخہ)

حضرت خواجہ خاوند محمودؒ کے تعلقات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ  
بہت خوشگوار تھے۔ مسائل شریعت و طریقت اور وحدت الوجود کے بارے میں اکثر گفتگو  
رہتی تھی۔ آپ ”وحدت الوجود“ کے نظریہ کی تردید کرتے اور ”وحدت الشہود“ کے تصور کی  
حمایت کرتے ہیں۔ آپ اکثر ملاقات کے لئے سرچند بھی جاتے تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد  
الف ثانیؒ آپ کے بارے ایک مقام پر فرماتے ہیں: ”خواجہ خاوند محمودؒ پیرزادہ ما اند و جذبہ  
موروثی دارند“

(ترجمہ) خواجہ خاوند محمودؒ خواجہ زادہ ہیں اور جذبہ موروثی انہیں حاصل ہے۔  
اس کے علاوہ مکتوبات شریف میں اکثر مقام پر حضرت ایشاںؒ کو آپ کے شخصیت پناہ“ (خواجہ  
خاوند محمودؒ) کے القاب سے مخاطب کیا ہے۔ مقامات محمودیہ اور کتاب رضوانی میں تحریر  
ہے کہ جب آپ کی وفات کے دن قریب آئے تو آپ نے پندرہ دن پہلے عصر کی نماز  
کے بعد اپنے مرید نواب افتخار الدین خاں عالی جاہ کو فرمایا کہ میں پندرہ دن کے بعد اس دامن فنا  
سے دار البقاء کی طرف رحلت کروں گا۔ جب سو گھنٹوں دن پہنچا تو بروز شنبہ ۱۲ شعبان  
۱۰۵۲ھ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد چند بار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:-

الہی غنچ امید بکشا  
گلے از بوضہ جاوید بنما

پھر عشاء سے پہلے سجدہ میں سر رکھا اور جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔  
(۱۷) مادھوالل حسین | اسم گرامی شاہ حسین، شیخ بہلول دریائی المتوفی ۹۸۳ھ

کے مرید و خلیفہ تھے۔ سرخ لباس پہنتے تھے اس لئے  
لال حسین مشہور ہوئے ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے  
عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ آپ کا والد عثمان نامی دیندار آدمی تھا۔ جولاہور  
کے نکالی دروازے کے ایک محلے میں رہتے تھے۔ شاہ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔  
سات برس کے ہوئے تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابو بکر کے حلقہ درس میں شامل  
ہو کر قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور مدت تک یافضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔  
حضرت شیخ علی ہجویری المعروف ماتان گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر کچھ عرصہ معکف رہے  
اور پیر کامل کا درجہ مل گیا۔ اہلیت کے حصول کے بعد آپ ملامیتہ میں شامل ہو گئے اس فرقے  
کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا کے دکھاوے کے لئے گھناؤنے سے گھناؤنا فعل بھی کر لینا  
چاہیئے تاکہ عوام الناس اسے بیشک و ہتکار دیں۔ لیکن وہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہوگا  
چنانچہ آپ بھی اس عقیدہ کے ماتحت اگر دن حسینوں میں گزارتے تھے تو راتیں مے و مینا کی  
صحبت میں بسر ہوتی تھی، رسالہ بہار یہ اور حقیقت الفقرا آپ کی سوانح حیات کے قدیم  
ماخذ ہیں۔ رسالہ بہار یہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا تھا جس کا مصنف منشی بہار خاں تھا۔ جسے  
جہانگیر بادشاہ نے روز ناچر لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب حقیقت الفقرا شیخ مادھو کے  
ایک مرید پیر محمد عرف شیخ محمود نے شاہ بہاں کے عہد میں ان کی سوانح عمری فارسی نظم میں لکھی  
تھی۔ اسی کے علاوہ داراشکوہ نے اپنی کتاب "حسنات العارفين" میں آپ کے کشف و  
کرامات کے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔

شاہ حسین ایک بزرگ صوفی تھے۔ آپ کی وضع قلندرانہ، مزاج شاعرانہ اور نکتہ نظر  
وجودی تھا آپ کی کافیاں مقبول غلائق ہیں۔ آج بھی دکھی اور مایوس لوگوں کو اندھیروں میں  
روشنی کی راہ دکھاتی ہیں۔ شاہ حسین بمرتبہ سٹھ سال اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی  
قبر شاہدرہ میں بنائی گئی۔ کچھ مدت کے بعد راوی میں سیلاب سے قبر کو نقصان پہنچا تو شیخ مادھو

آپ کے مرید و خلیفہ جو اس وقت زندہ تھے نغش نکلا کر باغبانپورہ جہاں آپ کا اب مزار ہے۔  
 دفن کیا۔ شیخ نادھو آپ کے جلیل القدر خلفا سے تھے ۱۰۵۶ھ میں انتقال کیا اور شاہ حسین  
 المتوفی ۱۰۰۸ھ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ عوام ان اس اس مزار کو مادھولال حسین کے نام سے  
 پکارتے ہیں۔

(۸) حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر | آپ کے آباؤ اجداد سلطان شہاب الدین  
 غوری کے عہد سلطنت میں ہندوستان

تشریف لائے آپ فرخ شاہ بادشاہ کابل کے خاندان اور حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہما کی اولاد مجاد سے  
 تھے۔ لاہور میں قیام کیا پھر قصور کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے کھوتوال (ضلع ملتان) میں  
 ٹھہرے۔ وہاں کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ حضرت بابا  
 فرید کے دادا کا نام قاضی شعیب تھا۔ قاضی شعیب کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام  
 قاضی جمال الدین سلیمان تھا۔ دوسرے لڑکے شیخ عبداللہ تھے جن کی اولاد میں حضرت مجدد الف  
 ثانی تھے۔ تیسرے صاحبزادے شیخ شعبان تھے جن کی اولاد جون پور میں آباد ہے حضرت بابا فرید  
 کے والد شیخ جمال الدین سلیمان قاضی شعیب کے بڑے بیٹے تھے۔ شیخ جمال الدین سلیمان کی نساد  
 شیخ وجیہ الدین نجمی رح کی صاحبزادی بی بی فرسم خاتون سے ہوئی جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔  
 بی بی صاحبہ قائم الیل اور صائم الدہر تھیں۔ آپ کے والد ماجد کہتوال ضلع ملتان کے ایک بزرگ عالم  
 تھے۔ بی بی صاحبہ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے اور آپ بیوہ ہو گئیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ  
 اعزاز الدین محمود، منجھلے کا شیخ فرید الدین مسعود اور چھوٹے کا نام نجیب الدین متوکل رکھا گیا۔  
 حضرت بابا فرید بتاریخ ۵۶۹ھ رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ بمقام کھوت وال میں پیدا  
 ہوئے یہ مقام پاک پٹن اور جہاراں شریف کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال  
 میں حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی تو آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے ملتان  
 تشریف لے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے سن ۵۸۲ھ میں حضرت قطب الدین  
 بختیار کاکی کے دست حق پرستی کی اور انکی نگرانی میں سلوک کے منازل طے فرمائے۔ اور خسرقہ  
 خلافت حاصل کیا۔ درس و تدریس، ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں آپ نے جس قدر خدمات  
 انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی۔ آپ نے ۶۶۴ھ میں اس  
 جہان فانی سے رحلت فرمائے۔ آپ کی عمر ۹۳/۹۵ سال کی تھی، حضرت خواجہ شیخ بدر الدین جانشین ہوئے۔

(۹) ابو دھن | ابو دھن یہ قدیم قصبہ مغربی پاکستان کے ضلع منگھری (ساہیوال) میں ہے اور لاہور ملتان جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ راجہ رام چندری

کے اباؤ اجداد نے جن کی ابو دھیا میں حکومت تھی اباؤ کیا تھا۔ یہ روایت ہے کہ کھدوں پاندوں کی لڑائی کے وقت (جنگ جہا بھارت) اس کا نام دھارا نگری تھا۔ شاہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کا نام پاک پن یا پن بابا فرید رکھا گیا۔ زمانہ قدیم میں دریائے ستلج اس شہر کے قریب بہتا تھا اور ملتان سے دہلی کی طرف جانے والے مسافر دریا کو اس جگہ سے عبور کرتے تھے اور ”دریا کا پن“ مشہور تھا۔ بابا فرید کی خالقاہ کے سبب اس کو اکبر بادشاہ کے حکم سے پاک پن کہنے لگے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس شہر کا نام پن بابا فرید لکھا ہے اور آئین اکبری میں صرف پن لکھا ہے۔ (ماخذ تذکرہ حضرت امام سید علی الحق سیالکوٹی مولفہ میاں اخلاق احمد ایم اے ص ۷۶ - ۸۷)

(۱۰) میاں محمد سلطان ٹھیکیدار | آپ کی رہائش لاہور اندرون دہلی دروازہ حویلی میاں سلطان میں تھی، آپ بڑے متعلیٰ و مخیر تھے۔

سرکار انگریزی کے عہد میں عمارت کی ٹھیکیداری آپ کو حاصل تھی۔ اس کاروبار کو آپ نے بہت فروغ دیا۔ آپ نے سرکاری مکانات و عالی شان عمارت و چھاؤنیاں تعمیر کروائیں۔ اس کے علاوہ ایک عمدہ اور عالی شان سرائے جو (سرائے میاں سلطان) کے نام سے معروف ہے تعمیر کروائی اور ایک خوبصورت بازار کو بھی زینت دی۔ آخری عمر میں بسبب کثرت خرچ و کمی آمد اور ملازمین کی خیانت نے آپ کو تباہ و برباد کر دیا۔ پھر ساری جائیداد کوئی لاکھوں روپے میں جہا راجہ جموں کے پاس رہن ہو گئی اور پانچ سو روپے ماہوار جائیداد کی آمدنی آپ کے گزارے کے لئے جہا راجہ نے دینا منظور کیا۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اور کوئی منتظم جائیداد موجود نہ تھا۔ اس سبب سے یہ خاندان برباد ہو گیا۔

(۱۱) دیوان دینا نامتھ | جہا راجہ رنجیت سنگھ کا مشیر خاص تھا، دیوانی امور میں لائٹنی تھا۔ انگریزوں نے دیوان دینا نامتھ کی خدمات پر تعظیم

کے بدلہ میں ”راجہ“ کا خطاب عطا کیا اور کلاؤز کی جاگیر بحال رکھی، دیوان امر ناکھ نخلص اکبری اور دیوان رام نامتھ نخلص اصغری۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ صاحب علم و ادب تھے آپ کی عالی شان حویلی دہلی دروازہ کے اندر اب تک موجود ہے۔ آئینے سالار باغ

کے پرانے راستے پر مزار گھوڑے شاہ کے متصل جہاں سے کوٹ خجائب سے سید کو بھی راستہ جاتا ہے۔ اپنا باغ تعمیر کروایا۔ باغ کے ارد گرد چار دیواری تھی جو اب کربھی ہے۔ باغ کا دروازہ مشرق کی جانب تھا جس کا اب کوئی نشان نہیں۔ باغ کے اندر بارہ دریاں۔ شہر نشین، چبوترے، حوض اور فوارے بھی تھے۔ اب ایان لاہور اکثر موسم برسات میں اس باغ میں سیر و تفریح کے لئے آتے تھے اور بڑی رونق رہتی تھی۔ اس باغ کے جنوب میں ایک بارہ دری تھی جو نہایت خوبصورت اور نچتر تھی اب وہ گر چکی ہے۔ فوارے اور حوض بھی مٹ چکے ہیں۔ ان کی جگہ نئے مکانات اور دکانیں تعمیر ہو گئی ہیں۔ اب یہ علاقہ بعد تقسیم پاک و ہند لاہور میں کچی کالونی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

مفتی تاجدین بن مفتی امام دین حالات ضلع لاہور (قدیم لاہور) ۱۸۶۷ء میں باغ راہر دینا ناظم کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

”یہ باغ بھی پاس موضع کوئی (کھوئی) امیراں کے اوسے زمانہ میں بڑی شان و شوکت سے آباد ہوا۔ زمین اس کی بہت اور آرائش و زینت اس میں ایک بارہ دری جو کہ ایک بڑا بھاری عمل ہر اسے بڑے شوق و ذوق سے تعمیر ہوئی۔ یہاں بھی تاقیہ لہر دینا ناظم نہیں مرا بہت آرائش رہی ہر ایک طرح کا پھل پھول ہوتا تھا مگر اب ویسا نہیں رہا۔ پاس کے لاہور کی طرف“

(۱۲) حضرت فیصل شاہؒ آپ کا مولد موضع سید پور کہنیاں ہے جو پنجاب کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ آپ کے اجداد گردیز (ایران) سے پنجاب میں آئے تھے اور اسی قصبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ نے شہر بہالکوٹ میں تعلیم پائی پھر پیل تعلیم کے واسطے لاہور شریف آئے۔ اور مسجد وزیر خاں میں قیام کیا۔ ان دنوں مدرسہ مسجد وزیر خاں کو بہت شہرت اور اہمیت تھی۔ کچھ عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہے اور بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد عینک سازی کا کام سیکھا۔ آپ کے خاندان میں پیری مریدی قدیم سے چلی آتی تھی۔ لیکن آپ نے اس پیشہ سے احتراز کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے شخص کو بیعت لیتی حسام ہے جو مریدوں کی تربیت نہ کر سکے۔ اس وجہ سے آپ نے عینک سازی کا پیشہ اختیار کیا تاکہ اکل عیال پر قادر ہوں۔

تحصیل علم کے بعد آپ کو ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو حق شناسی کی رہنمائی کرے۔ آپ

حضرت رحمان شاہ کے مرید ہو گئے اور اخذ فیمن ہوئے۔ آپ کا سلسلہ قادریہ نوشاہی ہے اور شجرہ طریقت اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت سید فضل شاہ گندیزی، حضرت رحمان شاہ حضرت محمد صدیق، حضرت محمد امین، حضرت شاہ فرید الرحمن کامزار لاہور سے تین گوس ڈھولن وال کے متصل ہے۔ حضرت پیر محمد پچاؤ نوشہرہ والے، حضرت نوشہرہ گنج بخش گوجرانوالہ جن کے سبب سے اس سلسلہ کو نوشاہی بھی کہتے ہیں، حضرت شاہ سلیمان لوری، حضرت شاہ محمد غوث، حضرت سید شمس الدین، حضرت شاہ میراں، حضرت سید علی، حضرت سید مسعود غازی سالار، حضرت سید احمد ولی، حضرت سید موصوفی شاہ، حضرت ابو نصر شاہ، حضرت سید عبدالوہاب، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت ابوالخیر ابوسعید، حضرت ابوالفتح، حضرت عبدالواحد، حضرت شیخ ابوبکر شاہی، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی، حضرت سرسقلی، حضرت معروف کرنی، حضرت داؤد طانی، حضرت حبیب عجیب، حضرت حسن بھری، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی وفات مرض انتفا سے ہوئی۔ تہیز و تکفین کا سامان راجہ صاحب کی طرف سے ہوا، جنازہ تیار کر کے پڑھ میں لے گئے۔ اور وہاں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پھر اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار اقدس بیرون کشمیری دستی دروازہ کے درمیان سرکاری باغ مقبورہ نواب نواز شمس علی خاں قزلباش کی حدود کے اندر واقع ہے۔ آپ نے سن ۱۲۶۲ھ/۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔

آپ کا ایک عزیز زند تھا جس کا نام سید بلند شاہ صاحب تھا انکی ایک لڑکی تھی جس کا نام نادرہ بیگم تھا آپ بڑی زاہدہ عابدہ اور عیالیات بھی جانتی تھی، اس خانقاہ کی متولہ ہوئیں۔ آپ کی شادی حافظ عمر دراز صاحب سے ہوئی جو بڑے قابل اور لائق بزرگ تھے۔ فائض تخلص کرتے تھے اور سائق ایڈیٹر پنجابی اخبار لاہور کے تھے۔ جب تک راجہ دینا ناتھ زندہ رہا، آپ کا سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا رہا۔ بعد ازاں بھی عقیدت مند لوگ عرس کرتے رہے۔ یہ سید بلند شاہ نے ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۰ء میں رحلت فرمائی۔

۱۔ منٹو پارک موجودہ یادگار پاکستان  
۲۔ اب یہ باغ لاہور کارپوریشن کی تحویل میں ہے۔

# کتابیات

اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

- |  |  |
|--|--|
| شطاری مانڈوی   | (۱) خزینۃ الاصفیاء (جلد اول و دوم)   |
| (۱۶) تاریخ فیروز شاہی۔ از ضیاء الدین برنی              | (۲) گنج تاریخ  |
| (۱۷) تاریخ فیروز شاہی از شمس برنج غنیف مترجم           | (۳) حدیقۃ الاولیاء   |
| مولوی محمد فدا علی طالب                                | (۴) تاریخ محسن پنجاب مفتی غلام پور لاہوری  |
| (۱۸) ائیسہ حقیقت نما جلد اول و دوم از مورخ             | (۵) تحقیقات حسنی از مولوی نور احمد حسنی۔ لاہور                                     |
| اسلام مولانا اکبر شاہ عثمان نجیب آبادی                 | (۶) تذکرہ علمائے ہند۔ از مولانا رحمان علی صاحب                                     |
| (۱۹) تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم                      | (۷) رشحات عین الہیات از ملا حسین واعظ کاشفی  |
| (۲۰) بزم صوفیہ از مصباح الدین عبدالرحمان               | (۸) اخبار الاخیار از مولانا عبدالحق محدث دہلوی                                     |
| (۲۱) معارج الالویت (قلمی نسخہ) از عبداللہ غوثی شکی     | (۹) سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہ (فارسی نسخہ) اردو ترجمہ محمد علی لطیفی کراچی |
| (۲۲) خلاصۃ التواریخ۔ از سہمان سنگھ و صیرا (۱۱۰۷ھ)      | (۱۰) تاریخ ہندوستان خان بہادر شمس العلماء  |
| (۲۳) حدیقۃ الافاقیم۔ از مرتضیٰ حسین قلمی نسخہ پنجاب    | مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی   |
| یونیورسٹی لاہور  | (۱۱) نفحات الانس از مولانا عبدالرحمن جامی  |
| (۲۴) ثمرات القدس از لعل بیگ بخشی (قلمی نسخہ)           | (۱۲) رود کوثر از شیخ محمد اکرام (پہ۔ ل)  |
| (۲۵) خطہ پاک اقدس شریف از مسعود حسن شہاب               | (۱۳) عبرت نامہ جلد اول و دوم۔ از مفتی علی الدین                                    |
| (۲۶) تاریخ مساجد از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی          | خلف مفتی پیر الدین   |
| (۲۷) تاریخ پنجاب از محمد بوٹے شاہ (قلمی نسخہ پنجاب     | (۱۴) در بابہ اکبری   |
| یونیورسٹی لاہور)                                       | (۱۵) گلزار ابرار۔ اردو ترجمہ مصنف محمد غوثی  |
| (۲۸) مسجد وزیر خان لاہور۔ از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی |  |



- (۲۹) تاریخ نظامی از خواجہ نظام الدین احمد بن خواجہ مقیم ہروی۔
- (۳۰) تاریخ مبارک شاہی از یحییٰ ابن احمد بن عبداللہ سرہندی۔
- (۳۱) منتخب التواریخ طالعبدالقادر بدایونی۔
- (۳۲) تاریخ لاہور از رائے بہاؤ کنیالال۔
- (۳۳) تاریخ پنجاب " " " "۔
- (۳۴) تاریخ لاہور از سعید عبداللطیف لاہوری (انگریزی و اردو نسخہ)۔
- (۳۵) تذکرہ علماء و المشائخ از مولوی محمد بن فوق۔
- (۳۶) یاد در فقہان " " " "۔
- (۳۷) لاہور عہد مغلیہ میں " " " "۔
- (۳۸) ملک العلماء " " " "۔
- (۳۹) بادشاہ نامہ (فارسی)۔
- (۴۰) شاہجہاں نامہ (فارسی) از محمد صالح الجبوسہ۔
- (۴۱) بہار پنجاب از شیخ حضرت اللہ۔
- (۴۲) نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲۔
- (۴۳) اولیائے لاہور از محمد لطیف ملک (الم لے)۔
- (۴۴) بزرگان لاہور از سیر غلام دستگیر نامی۔
- (۴۵) تذکرہ حضرت الیٹا از میاں اخلاق احمد۔
- (۴۶) تذکرہ حضرت شاہ بلاول " " " "۔
- (۴۷) تذکرہ حضرت امام علی الحق بیگ کوئی " " " "۔
- (۴۸) لاہور کا سید از بزم اردو لاہور ۱۹۰۹ء۔
- (۴۹) عمدۃ التواریخ از سوہن ال سودی۔
- (۵۰) تذکرہ اولیائے لاہور از محمد وارث کابل۔
- (۵۱) مائتہ الامراء حصہ اول دوم سوم از صمصام الدولہ شاہ نواز خاں (فارسی) اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری۔ کراچی۔
- (۵۲) تذکرہ اولیائے ہندوستان از مفتی ولی محمد ٹوٹی۔
- (۵۳) تذکرہ صوفیائے پنجاب از اعجاز الحق قدوسی کراچی (۱۹۶۶)۔
- (۵۴) عرس اور میلے از امان اللہ خاں ارمان سرحدی۔
- (۵۵) حالات ضلع لاہور (قدیم لاہور) از مفتی تاجدین بن مفتی امام الدین۔
- (۵۶) لاہور کے علماء اور مدارس از مولانا علم الدین سالک مرحوم (الم لے)۔
- (۵۷) ظفر نامہ رنجیت سنگھ۔
- (۵۸) لاہور سکھوں کے عہد میں از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
- (۵۹) لاہور کی کہانی آثار کی زبانی از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
- (۶۰) قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
- (۶۱) دی اور جن آف لاہور از خان ولی اللہ خاں۔
- (۶۲) حدود العالم (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔
- (۶۳) کتاب تاریخ الہند از البیرونی (اردو ترجمہ)۔
- (۶۴) Ancient Geography of

- (۶۳) ذخیرۃ الخواتین از شیخ فرید بھکری -  
 طبقات اکبری - (۶۴)  
 سکنینۃ الاولیاء از دارا شکوہ - (۶۵)  
 تاریخ اودھ از مولوی حفیظ الرحمن - (۶۶)  
 لاہور گزیٹ ۱۸۹۲ء مرتبہ جی سی وانگر  
 ص (۲۹۱ تا ۲۹۲) -  
 فتوحات عظیمہ از شیخ ابن عربی - (۶۸)  
 اسرار التصوف از حکیم احمد علی صاحب  
 جواہر غیبی از علامہ ابوالحسن فرید آبادی - (۸۰)  
 این ادیشنٹیل بالوگرافیکل ڈکشنری بائی ملی  
 ڈبلیو بیل مطبع نیویارک ۱۹۶۵ء -  
 طریقت الحقایق از سید معصوم علی  
 شاہ شیرازی - (۸۲)  
 روضات الخان طبع نهران - (۸۳)
- India By A Cunningham  
 (۶۵) ادیشنٹیل کان میگزین ماہ نومبر ۱۹۲۳ء  
 تذکرۃ الاولیاء از خواجہ فرید الدین عطار  
 انوار اصفیاء (شیخ غلام علی کتب فروش)  
 ہسٹری آف انڈیا ایلیٹ اینڈ  
 واوسن (لندن) ۱۸۶۶ء جلد اول  
 اینڈ اینڈ اینٹیکیز آف راجستھان  
 (لندن) ۱۹۱۲ء جلد اول، از ڈاکٹر کنل  
 مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری  
 از پروفیسر محمد ایوب قاری (ایم۔ اے)  
 (۶۱) تاریخ جلیلہ لاہور ۱۹۶۰ء از پیر  
 غلام دستگیر نامی -  
 لطائف الاثر فی (اردو ترجمہ)  
 مولفہ حضرت نظام یعنی ترجمہ میر احمد  
 صاحب کاکوروی لکھنوی مکتبہ بزم  
 قادری ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کلونی کراچی نمبر ۲۵ -



# کچھ اپنے متعلق

راقم الحروف میاں اخلاق احمد خلف میاں امیر بخش صاحب کا چچو مرحوم و معذور قوم  
 اربائیں سکھ ۳۳۳ شاد باغ لاہور۔ ۱۰ جون ۱۹۱۶ء میں اپنے آبائی مکان محلہ کاجھواں اندرون  
 اکبری دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے نانا میاں جلال الدین کا چچو  
 مرحوم و معذور کے زیر سایہ پائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو  
 کر سن ۳۷-۱۹۳۶ء میں بی اے پاس کیا۔ اور پھر ایم اے اور ایم اے ایل کی ڈگریاں پنجاب  
 یونیورسٹی سے حاصل کیں، فارغ التحصیل ہونے کے بعد این ڈی بیو آر (N.W.R) جو اب  
 پاکستان ریویزی ہے (Pakistan Rail Way) کے محکمہ سٹورز و پریچیزریوے ہیڈ  
 کوارٹر لاہور میں ملازم ہو گئے۔ اب اسٹنٹ کنٹرولر آف پریچیزریوے کے عہدہ سے  
 ریٹائر ہوئے۔

ملازمت کی ذمہ داریوں کے باوجود درس و تدریس اور علمی و ادبی مشاغل سے بھی وابستگی  
 رہی ہے۔ تاریخی حالات و واقعات اور تحقیق سے خاص کر صوفیائے کرام کے حالات و سوانح  
 حیات سے زیادہ شغف رہا ہے چنانچہ یہی اسی ذوق و شوق کا نتیجہ ہے کہ لاہور کے دو قدیم صوفی  
 یعنی تذکرہ حضرت سید اسحاق گارونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہ اور  
 تذکرہ حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید صوف لاہوری شائع کیا جا رہا ہے۔  
 اس سلسلہ سے مجھے ایک تو فطری لگاؤ ہے جس نے والہانہ عقیدت کی صورت پیدا کر لی ہے۔  
 دوسرے میرے بزرگ اسی سلسلے سے وابستہ رہے ہیں۔ جن کے ذکر الہی نے بچپن ہی میں میرے  
 دل میں صلحاء کے ساتھ والہانہ عقیدت و ارادت پیدا کر دی ہے۔ اس تذکرہ کی تدوین و  
 تالیف اسی جذبہ عقیدت و محبت کا ایک ادنیٰ نمونہ پیش خدمت ہے۔

ہاں گروہ کہ از ساغر و فامستند

بلام ما برسانید بر کجا ہستند

احقر العباد

میاں اخلاق احمد ایم اے

۳۳۳ شاد باغ - لاہور

## مؤلف کی دیگر تالیفات اور چند آرائے

تذکرہ خواجہ خواجگان حضرت سید خاوند محمود المعروف بحضرت ایشانؒ

”میاں صاحب نے حضرت ایشانؒ کے حالات زندگی ان کی تعلیمات اور تبلیغی سرگرمیوں نیز سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ کے لئے ان کی کاوشوں کو یکجا کرنے میں جس محنت، لگن اور ذوق و شوق کا ثبوت دیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ حضرت ایشانؒ پر اس سے قبل کوئی مستند کتاب موجود نہ تھی۔ ان کے حالات زندگی مختلف کتب و رسائل میں بھرے پڑے تھے۔ میاں صاحب نے ان حالات و واقعات کو اس تو اتر و تسلسل کے ساتھ یکجا کیا ہے کہ یہ کتاب ان کا اپنا

(روزنامہ جمہور - لاہور)

قلمی جوہر بن گیا۔“

”اگرچہ اس کتاب کو میاں صاحب نے کسبِ نفسی سے کام لیتے ہوئے حرفِ آخر کے طور پر پیش نہیں کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی ولی کی زندگی پر اتنا جامع تذکرہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔“

(روزنامہ نوائے وقت - لاہور)

”یہ کتاب پاک باطن، عارف اسرار ربانی اور خدا رسید بزرگ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ مرتب نے بڑی محنت اور جان ناکاہی سے حالات جمع کئے اور نہایت صحت سے شائع کئے ہیں۔“

(روزنامہ مشرق)

## تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادریؒ

”میاں صاحب نے بلاشبہ انتھک محنت اور لگن سے تمام حقائق کو جمع کیا ہے۔ اور بہت سے اختلافات کو ختم کر دیا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے شاہ بلاول قادریؒ کے کرامات علوم و فیوض اور معجزانہ واقعات پر روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں میاں صاحب کا نقطہ نظر بالبعد الطبیعیاتی ہے۔ کتاب اس لحاظ سے بلند مقام رکھتی ہے کہ ہمارے ہاں صوفیائے کرام کے علوم و ارتدادات اور فلسفہ زندگی کو کسی مستند تاریخ نگار نے کبھی صورت میں نہ تھا۔ قلمبند نہیں کیا گیا۔ ایسی تحقیقات اور تحریروں سے بلاشبہ ایک بحث کھل سکتی ہے جو ہمیں اپنی ثقافتی اور نظریاتی تاریخ سے روشناس کرانے کی۔“

(روزنامہ مساوات)

## تذکرہ حضرت امام سیدنا علی الحقؑ

”حضرت امام سیالکوٹی ایک پرچوش مبلغ اسلام تھے۔ انکا یا کو اناراجہ ساہن پال جیسے ظالم حکمران کے خلاف جہاد کرنا اور سیالکوٹ کے عوام کو نڈد سے نجات دلانا یہ تمام ایسے واقعات ہیں جن کے متعلق متضاد روایات ہم تک پہنچتی ہیں اس سلسلے میں تذکرہ نویسوں میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے آج تک اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جو اس مجاہدِ حریت کی حیاتِ بابرکت کو مستند انداز میں پیش کر سکے۔ مؤلف اس لحاظ سے قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے مستند ذرائع اور ماخذات سے استفادہ کرتے ہوئے تحقیقی و تنقیدانہ انداز میں امام صاحب کے حالات پیش کئے ہیں۔ حضرت امام کے سوانح حیات کے ساتھ ساتھ ان کے مرشد بابا فرید الدین مسعود کے حالاتِ زندگی بھی اشتهار کے ساتھ درج ہیں مؤلف نے نہایت عرق ریزی اور باریک بینی کے ساتھ اس کتابچے کو تحریر کیا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تاریخِ تصوف بلکہ ہماری تاریخِ حریت و عزیمت کے ایک باب کے دروازے وا کئے گئے ہیں اور یوں یہ کتابچہ تاریخی طرزِ بچر میں ایک قابلِ قدر اضافے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔“

(ماہنامہ تعلیمات لاہور)

دسمبر ۱۹۷۸ء

ختم شد



# اسلامی ادارہ ادب و ثقافت پاکستان

چاہ میونسپلٹی لاہور  
نئے نایاب کتابیں

تذکرہ حضرت کرم الہی عرف کانواں والی سرکار ۲۰۵۰ - ۷  
مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

تذکرہ حضرت سید میراں حسین زنجانی ۲۰۰۰ - ۲

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

## آفتاب زنجان

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

قرآن اور توبہ

پچھروپے

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

فوائد الصلوٰۃ

دو روپے

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی